سے ان کا نام خارج ہوتا گیا، اوران کی بعض تحقیقاتیں طبِ جدید کی جانب منسوب کر دی گئیں،

اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان مباحث میں یونانی تصانیف کی شہادت کے ساتھ طبِ جدید کے محققین کے اعترافات بھی نقل کر دیئے ہیں، جس سے اس کی قدر وقیمت اور بڑھ گئی ہے، البتہ خطابت اور جوشِ بیان اعتدال سے زیادہ ہے، اسلئے کتاب غیر ضروری حد تک طویل ہو گئی ہے، اور جو بات چند سطروں میں کہی جا سکتی تھی، اس کو زورِ خطابت نے صفحوں میں پھیلا دیا ہے،

شادِ اقبال مرتبہ ڈاکٹر محی الدین صاحب زور قادری، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۱۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ/ پتہ:- سب رس کتاب گھر، رفعت منزل، خیرت آباد، حیدرآباد دکن

مہاراجہ کشن پرشاد کی ذات مشرقی تہذیب و شرافت اور اخلاق و مروت کا نمونہ تھی، جس سے ایک مرتبہ تعلقات پیدا ہو گئے، اسکو عمر بھر نباہا، وہ خود صاحبِ کمال تھے، اور اربابِ کمال کی قدر دانی ان کا خاص جوہر تھا، اس بنا پر ہندوستان کے بہت سے اصحابِ علم سے ان کے تعلقات تھے، سر اقبال مرحوم سے بہت مخلصانہ تعلق تھا، اور باہم خط و کتابت بھی رہتی تھی، اتفاق سے یہ خطوط محفوظ رہ گئے تھے، ڈاکٹر محی الدین صاحب نے ان کو شادِ اقبال کے نام سے شائع کر دیا ہے، یہ خطوط مختلف حیثیتوں سے قابلِ قدر اور پڑھنے کے لائق ہیں، دونوں بڑا اعلیٰ ادبی مذاق کے حامل تھے، اسلئے ان خطوط میں جملہ ادبی محاسن نمایاں ہیں، گو دونوں کے مراتب و خیالات میں بڑا فرق تھا، لیکن صحتِ قلب نے ان میں باہم جو اخلاص و اعتماد پیدا کر دیا تھا، اس کا اندازہ ان خطوط کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے محرمِ راز تھے، خانگی معاملات میں مشورے لیتے تھے، ایک دوسرے کے حفظِ مراتب کا کتنا لحاظ تھا، مہاراجہ اپنی وجاہت کے باوجود سر اقبال کے ساتھ کس اخلاص و محبت کا برتاؤ رکھتے تھے، اور اقبال اپنے استغنا اور فقیر منشی کے باوجود مہاراجہ کیساتھ کس نیاز مندی سے پیش آتے تھے، اقبال کے خطوط سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پرائیوٹ زندگی میں بھی کیسے مومن صادق تھے، یہ خطوط دو بڑی ہستیوں کی سیرت، اخلاق اور حفظِ مراتب کا آئینہ ہیں،

"م"

جلد ۵۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۳ء عدد ۴

مضامین

شذرات

گذشتہ مہینہ کے شذرات میں آمدِ سخن کے طور پر یہ بات آگئی تھی کہ مسلم یونیورسٹی نے خالص خدامِ علم کی یہ قدردا
عمر میں پہلی دفعہ کی ہے، ایک دوست نے علی گڈہ سے متنبہ کیا ہے کہ اس قسم کے دو موقع اس کی عمر میں پہلے بھی
آچکے ہیں، پہلی دفعہ جب اس نے ۱۹۲۵ء میں نواب عماد الملک بہادر اور آنریبل سید امیر علی کو ڈگری دی، اور
دوسری دفعہ جب ۱۹۳۳ء میں اس نے ڈاکٹر سر محمد اقبال اور ڈاکٹر سر سلیمان کی خدمت میں ڈگری پیش کی، اور
یہ چاروں یقیناً علم کے خادم تھے، اور ان کے علمی خدمات قوم کے شکریہ کے مستحق،

پچھلے شذرات میں معارف کے خسارہ کو پورا کرنے کی جو تحریک کی گئی تھی، اس سے متاثر ہو کر ایک بزر
نے تنہا بیس خریداروں کی قیمت ادا کر دینے کی اطلاع دی ہے، اس رقم میں سے نصف یعنی دس رسالے
نادار طلبہ کے نام جاری کئے جائیں گے، اہل شوق نادار طلبہ مہتمم مدرسہ سے تصدیق کرا کے درخواست بھیجیں،

امریکن اورینٹل سیریز نے حال میں امام ابوالحسن اشعری کی "کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ" کا انگریز
ترجمہ شائع کیا ہے، امام اشعری کی یہ کتاب علم کلام میں ہے، اس کا اصل عربی متن مدت ہوئی کہ دائرۃ المعارف
حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے، معلوم نہیں سوسائٹی نے اس کے ترجمہ کی اشاعت کس نقطۂ نظر سے کی ہے کیو
ان کے خالص علمی کام بھی کسی دور رس نتیجہ سے خالی نہیں ہوتے، اور یہ تو بہرحال اسلامی عقائد کی کتاب ہے،

ایامِ جاہلیت اور آغازِ اسلام کے معاشرتی و اجتماعی حالات کے محاضراتی ماخذ میں ابن حبیب (المتو
۲۴۵ھ) کی کتاب المحبر اور کتاب المنمق خاص طور سے اہمیت رکھتی ہیں، یہ دونوں کتابیں بہت نادر ہیں،
دائرۃ المعارف حیدرآباد مستحق مبارکباد ہے کہ اس نے دونوں کتابوں کے قلمی نسخے حاصل کرکے ان کی چھپائی کا کام
شروع کیا ہے، چنانچہ کتاب المحبر تقریباً چھ سو صفحوں میں چھپ کر تمام ہو رہی ہے، اور کتاب المنمق کی تیاری ہو رہی ہے،

ابتدائے اسلام کی شادیوں کے مراسم پر لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی نے Marriage in
Early Islam نامی کتاب انگریزی میں شائع کی ہے جس میں مسند ابن حنبل اور طبقاتِ ابن سعد کے
حصۂ نسواں سے خاص کر استدلال و استنباط کر کے آغازِ اسلام میں منگنی، رضامندی، مہر وغیرہ رسوم کے بیان
کے علاوہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی شادیوں کے ابواب بھی قائم کئے گئے ہیں، ایک صاحبِ نظر کی خبر ہے
کہ کتاب احتیاط سے پڑھنے کے قابل اور ایک حد تک معاندانہ ہے،

عیسائی اور یہودی مصنفین نے اسلام اور اسلامی مسائل پر اظہار رائے کا جو طریقہ اب بظاہر ناطرفدارانہ
علمی طرز بیان کا اختیار کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ طرز اپنے مقصد کے لحاظ سے عام مناظرانہ طریقوں سے زیادہ
زہرناک ہے، اس کا کاٹا بچ نہیں سکتا، یہ آہستہ آہستہ سرایت کرنے والا زہر ہے جو بظاہر علم و ادب و تاریخ کی شکل
میں پیش کیا جاتا ہے، وہ نامعلوم طریق سے اچھے اچھے مسلمانوں کو متاثر کر لیتا ہے، اور یہ معلوم بھی نہیں ہونے پا
کہ یہ زہر اس میں کہاں چھپا تھا،

قند میں زہر ملا تھا مجھے معلوم نہ تھا

مخالفانہ پروپگنڈے کا یہ طرز اب اس قدر عام ہو رہا ہے کہ سیاست سے نکل کر یہ مذہب میں بھی داخل
ہو رہا ہے، اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کی وسعت میں دشمن تو دشمن دوست بھی داخل ہو رہے ہیں، اور پھر و
اس پر خوش ہیں کہ ہم نے مذہب و ملت کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے،

زنادانی بہ او کردہ ہمدم کارِ من ضائع — عجب تر اینکہ بر من منت بسیار ہم دارد

گذشتہ اپریل ۱۹۴۲ء میں شہر بوسٹن میں امریکن اورینٹل سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ منائی گئی اس میں
سے دلچسپ مقالے پڑھے گئے، ان ہی میں ایک مقالہ میں عباسی داعیوں کے ان اصولِ تبلیغ (پروپگنڈے)
کی تشریح کی گئی جن سے کام لیکر عباسی داعیوں نے بنی امیہ کی سلطنت کے الٹنے میں کامیابی حاصل کی، ان اصول کا پروپگنڈے کے جدید ترین
اصول سے موازنہ کیا گیا اور مسلمانوں کی ان جدید تحریکات پر جو ہندوستان اور مصر و شام میں اس وقت چل رہی ہیں نظر ڈالی گئی ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلامی ملکوں میں کوئی اسلامی تحریک جاری ہی نہیں ہے، جو ہے وہ اسلامی تحریک نہیں، بلکہ مسلمانوں کی تحریک ہے، یعنی مسلمان نام قوم کو دوبارہ سیاست وسلطنت کی دنیا میں کیونکر برتری حاصل ہو اور اس کی صورت یہ ہو رہی ہے کہ جن کو منکرین اسلام کہا جاتا ہے وہ دنیا کی موجودہ برسر عروج قوموں کے ایک ایک خصوصیات کو دیکھتے ہیں کہ شاید ان کی یہی خصوصیات ان کے اس اقبال کی حقیقی علت تو نہیں، اور پھر انہی چیزوں کی تحریک مسلمانوں میں کرتے ہیں، قومیت، وطنیت، اقتصادیت، عسکریت، تنظیمیت، لادینیت، بے پردگی، بیجا اخلاقی و مذہبی آزادی وغیرہ یورپین قوموں کے خصائص کو دیکھ کر ان کے عروج کا راز دریافت کرتے ہیں، اور اسی راز سے مسلمانوں کو آشنا کرکے اس پر اپنی اسلامی تحریک کی بنیاد ڈال رہے ہیں، حالانکہ ع مایۂ طینت آدم زخمیر دگر است۔

اصلی اسلامی تحریک وہ ہے جو صرف اسلام کے صحیفۂ ربانی اور ارشادات نبوی پر مبنی ہو، جس میں وہ اصول یکجا کیے گئے ہوں جن پر ۱۳ سو برس پہلے مسلمانوں کی تعمیر کی گئی تھی، تیرہ سو برس پہلے بھی جب رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرب میں اسلام کی دعوت پیش کی، ایران و روم کی بڑی بڑی قومیں موجود تھیں، جن میں وطنیت بھی تھی، قومیت بھی تھی، دولت بھی تھی، تعلیم بھی تھی، سلطنت بھی تھی، عسکریت بھی تھی، اور ان کے نام کا دبدبہ بھی عربوں پر چھایا ہوا تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان ترقی یافتہ دولتمند حکمراں قوموں کے خصوصیات کی نقل اتارنے کی دعوت نہیں دی، نہ ان کو کسریٰ کے اصولوں کی تعلیم دی، اور نہ قیصریت کے اصولوں سے باخبر کیا، بلکہ تمام دنیا کی قوموں سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اور بتائے ہوئے اصول زندگی کو سب کے سامنے پیش کیا جن کے بدلے قبول اور عمل سے وہ سب کچھ ملا جو دین و دنیا کی بہتری تھی، ان کو آسمان کی بادشاہت کی دعوت دی گئی، تو زمین کی بادشاہی بھی ان کو مل گئی، اب بھی آسمان ہی کی بادشاہی کی طلب سے زمین کی بادشاہی مل سکتی ہے، اور آسمان کی بادشاہت کا دروازہ ہم پر کیونکر کھل سکتا ہے، صرف اس کی دو کنجیوں سے، ایمان کامل اور عمل صالح، فرمایا،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنكُمْ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ	خدا نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ اُن کو زمین میں حکومت بخشیگا جیسے اُن سے پہلوں کو اُس نے بخشی تھی

مقالات

کتاب اسلامی معاشیات کا ایک باب

"حکومت کی آمدنی" اور اسکے مصارف و اغراض[1]

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

"یہ مفید اور محققانہ مقالہ جامعہ عثمانیہ کے مجموعۂ "تحقیقات علمیہ" میں شائع ہوا تھا، اس میں اسلامی ریاست کی آمدنی کے اصول تقسیم اور اس کے اغراض و مقاصد کے بارہ میں اسلامی احکام و قوانین یا موجودہ اصطلاح میں اسلامی معاشیات پر عالمانہ بحث کی گئی ہے، مجلہ علمیہ کی اشاعت محدود ہے اور مقالہ کی علمی اور افادی اہمیت اس کی متقاضی ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے، اس لئے فاضل مضمون نگار کی اجازت سے شکریہ کے ساتھ اوس کو نقل کیا جاتا ہے۔"

"م"

---

[1] کچھ دن ہوئے خاکسار نے "اسلامی معاشیات" کے نام سے اپنی ان یادداشتوں کا ایک مسودہ مرتب کیا تھا، جو ایم اے کے ایک امیدوار مولوی یوسف الدین ایم اے کے مقالہ کی نگرانی کے سلسلہ میں جمع ہو گئے تھے، اسی مسودہ کا ایک باب بطور نمونہ کے تحقیقات علمیہ کے مجلہ میں دے رہا ہوں، اس سے اندازہ ہوگا، کہ ان مضامین کی موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو کس حد تک ضرورت ہے؛

حکومت کی آمدنی پر بحث کرنے سے پہلے دراصل غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حکومت کے زور سے سرکاری خزانون مین جو روپیہ جمع کیا جاتا ہی، اس کے اغراض کیا ہین یا کیا ہونا چاہئے،

جہانتک تاریخ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہی، کبھی تو یہ آمدنی محض اس لئے جمع کیجاتی ہی کہ جن لوگون نے زمین کے کسی حصہ پر کسی ذریعہ سے اپنا ایسا اقتدار قائم کر لیا ہو کہ عام باشندون سے ان کے مطالبون کا انکار جان و مال کے لئے خطرہ بن جاتا ہے، اب ان کا نام خواہ کچھ رکھ لیا جائے، راجہ یا بادشاہ یا کنگ یا کچھ اور، بہرحال محض ان کے اور ان کے اعزہ و اقربا، حوالی و موالی کے عیش و آرام کا مہیا کرنا ہی ان کی حکومت کی آمدنی کی غرض ہوتی ہے، حکومتی آمدنی کے متعلق تنگ ترین نقطۂ نظر جو ہو سکتا ہے، وہ یہی ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ دنیا نے اس کا تماشا اکثر دیکھا ہے،

اس سے آگے بڑھ کر جو نصب العین اس آمدنی کا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس آمدنی کو دشمنون کے خطرات سے محفوظ رکھنے اور آمدنی پیدا کرنے والون کو اطمینان و فراغت کے ساتھ دولت کی پیدائش مین مشغول رکھنے کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت ہی، وہ بھی اس آمدنی سے پورا کیا جائے، مختصر لفظون مین یون کہئے کہ شاہی مصارف کے سوا کشوری (مثلاً عدالت، پولیس) اور فوجی مدات پر خزانہ کا روپیہ صرف کیا جائے، پہلی غرض سے ظاہر ہے، کہ یہ دوسری غرض اپنے اندر ذرا زیادہ وسعت رکھتی ہے، اگرچہ اس وسعت کی بھی آخری غرض وہی ہوتی ہے، کہ راجہ یا بادشاہ اور ان کے خاندان کے افراد کے عیش و آرام مین خلل نہ واقع ہو،

اس سے بھی چند قدم آگے بڑھ کر تیسرا نصب العین یہ ہی کہ علاوہ مذکورۂ بالا اغراض کے عام باشندون کی مشترک ضروریات مثلاً صحت و تعلیم، طریقۂ مواصلات (سڑکین، ریلوے، پوسٹ، ٹیلی گرام) وغیرہ اغراض پر بھی حکومت کی قوت سے جمع کردہ رقم صرف کیجائے، غالباً اس زمانہ کی مہذب ترین حکومتون کی آمدنی کا یہ بلند ترین نصب العین ہے، جو قائم کیا جا سکتا ہی یا جیسا کہ

کہا جاتا ہی بعض حکومتین عملاً بھی حاکمانہ اغراض کی تکمیل کے لئے نہین، بلکہ محض محکومون کی رفاہیت اور خیر اندیشی کے لئے اپنی آمدنی کا ایک بڑا مصرف اسی کو خیال کرتی ہین، جہانتک مین سمجھتا ہون عام طور پر حکومتون کی آمدنیون کے اغراض اس زمانہ تک عموماً مذکورۂ بالا نصب العینون سے آگے نہین بڑھے ہین، خواہ وہ حکومت قومی ہو یعنی اپنی قوم پر ہو یا کسی دوسری قوم پر،

کیا حکومت کی آمدنی کے اغراض اس سے آگے بھی کسی وسعت نظری کو مقتضی ہین، یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہی، مطلب یہ ہی کہ مندرجہ بالا اغراض کے سوا جب یہ واقعہ ہی کہ ہر حکومت اپنے محروسہ و مقبوضہ علاقہ مین انسانون کی ایک بڑی آبادی کو بسائے رکھتی ہے، اور انہی آبادکارون کی محنت و جانفشانی کی بدولت ایک ایک پیسہ دو دو پیسے اکٹھا کر کرکے کرورون روپیہ کا خزانہ جمع کر لیا جاتا ہے اور جب اس زمانہ مین کم از کم یہ مان لیا گیا ہے، کہ اقتداری قوت خواہ شخصی یا خاندانی رنگ مین ہو، یا کسی جتھے اور ٹولی کی شکل مین ہو، ان کے عیش و آرام، بنگلے و گملے کے سوا حکومت کی آمدنی کا مصرف رعایا کی سہولتون کا بھی بہم پہنچانا ہے، اسی لئے تعلیم و صحت وغیرہ کو بھی اب حکومتون نے اپنے موازنون کا جز بنا لیا ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے، کہ سرکاری خزانے جن غریبون کی پیشانیون کے پسینے کے قطرہ قطرہ سے سمندر بنتے ہین، کیا ان کی ضرورتین انہی عام پبلک ضرورتون تک محدود ہین، جن سے محکومون کے ساتھ ساتھ حاکمون کو بھی نفع پہنچتا ہے، کہ سڑکون پر اگر غریبون کے چھکڑے اور بنڈیان چلتی ہین، تو اقتداری قوتون کی موٹرین اور جوڑیان بھی انہی سے گزرتی ہین، جن ہسپتالون سے غریبون کو دوائین ملتی ہین، انہی کے سرجنون اور نائب سرجنون سے حاکمانہ دائرون کو بھی میڈیکل ایڈ وقت پر میسر آتا ہے، اور جن کالجون اور اسکولون مین ملک کے عام رعایا کے بچے خواہ کسی قیمت پر بھی ہو علم حاصل کرتے ہین، انہی سے حکومت کو اپنی مختلف مشنری کے لئے پرزے مہیا ہوتے ہین، یقیناً ملک کے آبادکارون کی ضرورتین ان ہی مشترک اور عام ضرورتون تک محدود نہین ہین،

آخر ان ہی مین آئے دن کتنے بچے یتیم ہوتے ہین، کتنے جوان بوڑھے ہوکر بیکار ہوتے رہتے ہین، کتنی عورتین بیوہ ہوتی ہین، کتنے تاجر نقصان اور خسارون مین مبتلا ہوکر دیوالیہ بنتے رہتے ہین، اور سب سے آخر مین یہ کہ کتنے کاشتکار غریب کاشتکار آفاتِ ارضی و سماوی کے شکار ہوکر قرض و دام کے بوجھ کے نیچے دب دب کر کراہتے رہتے ہین، کتنے جوان باوجود تلاشِ معاش کے بیروزگار پڑے پھرتے ہین،

کیا ان غریبون کی یہ ضرورتین نہین ہین، اور ان کا حال قابلِ رحم نہین ہے؟ وہی اپنی کمائی سے حکومت کے خالی خزانون کو معمور کرتے ہین، لیکن جب یہ بیچارے خالی ہوتے ہین، تو اون پر ترس کھانے والا کوئی نہ ہو،

واقعہ یہ ہے کہ ملک کی یہ ایسی ناگزیر ضرورتین ہین، جو (محکوم و حاکم کی) ان مشترکہ ضرورتون سے بھی اپنے اندر زیادہ اہمیت رکھتی ہین، جن کا نام آج رفاہات عامہ وغیرہ ہے،

لیکن عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے بلند بانگ دعوون والی حکومتون نے بھی کھل کر اس سوال کی طرف توجہ نہین کی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حکومتون کی موجودہ آمدنیان اتنی کافی بھی نہین ہوتین جو حاکمانہ قوتون کے محکمون اور محکمون کی تکمیل کے بعد اتنا بچا سکتی ہون، جس سے مشترک ضرورتون کے سوا ملک کی ان شدید ضرورتون پر بھی باضابطہ منتظم شکل مین کچھ خرچ کر سکتی ہون، اسی کا نتیجہ ہے کہ کبھی کبھی انجمن ہاے امداد باہمی کی تجویزین سوچی جاتی ہین، تاکہ ملک کے مقروضون کا کچھ بوجھ ہلکا ہو، کبھی سرکاری سرپرستی مین بیمہ کمپنیون کی ہمت افزائی کیجاتی ہے، اور بیمہ کے ایجنٹ شہر بہ شہر گاؤن گاؤن مین پھر پھر کر مرے ہوے باپون کی لاشون کے سامنے یتیمون اور بیواؤن کی تصویرین کھینچ کھینچ کر ہر شخص کو ہول دل مین مبتلا کرتے پھرتے ہین، کبھی مسئلہ بے روزگاری پر میدانون مین یا پہاڑون پر کمیٹیون پر کمیٹیان منعقد ہوتی رہتی ہین، سوچا جارہا ہے کہ آخر اس کا حل کیا ہے، کبھی سرکاری ملازمتون کی نشاندہی کے لئے دفاتر قائم کرکے حکومت کے مصارف

مین ایک اور جدید مصرف کا اضافہ کردیا جاتا ہے،

سردست مجھے اس سے بحث نہین کہ یہ تدبیرین واقعی مفید ہین، یا بے حاصل، اور نہ ان کی بعض شکلون مثلاً بیمہ یا انجمن ہاے اتحاد باہمی مین جو سودی کاروبار لین دین جاری ہے اس کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کرنا چاہتا ہون، بلکہ دکھانا صرف اس قدر ہے کہ ان ساری کوششون سے اتنا بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ ملک کی ضرورتون کا انحصار صرف انھی مشترک ضرورتون مین نہین ہے جنھین آج "پبلک ورکس" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو انجمن ہاے اتحاد باہمی کا جال بیمہ اور انشورنس والون کی نوحہ خوانیون ماتم سرائیون، بے روزگاری اور روٹی کے ڈھنڈورون کی آخر توجیہ کیا ہوگی،

الحمد للہ کہ اسلام نے جس وقت حکومت اور حکومت کے خزانہ کی بنیاد ڈالی، بنیاد ہی کے وقت ملک کی ضرورتون کا یہ سب سے آخری سوال اس کے سامنے پہلے آیا اور اس سوال کا حل بھی اس نے سب سے پہلے نکال لیا،

میرا مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ مین جب اسلامی دعوت نے مذہبی دعوت کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی تنظیم کی شکل اختیار کی تو ظاہر ہے کہ نہ اس وقت ملک تھا نہ خزانہ صرف چند اللہ کے بندے تھے، جو اپنے ذاتی مصارف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدانِ جنگ مین اترے، (۳۱۳) سپاہیون کو جو پہلی فتح بدر مین ہوئی اور خواہ جنگ کی تاریخ مین یہ کتنی ہی چھوٹی جنگ کیون نہ ہو، لیکن عالم کی تاریخ کے جتنے انقلابی فیصلہ کن معرکے ہین، ان مین یقیناً سب سے بڑا انقلابی معرکہ یہی تھا، اسی جنگ نے وہ فیصلہ کیا جو بالآخر تاریخ کا ایک اہم فیصلہ بن گیا، اور اب تک بنا ہوا ہے،

اس جنگ مین سب سے پہلے ایک ہزار سپاہی اور وہ بھی غریب عرب کے بھاگے ہوے سپاہیون

کا مسلمانون کو کچھ سامان ہاتھ آیا، اور یہی اسلامی حکومت کی پہلی آمدنی تھی، حکومت کی آمدنی کے متعلق مسلمانون کا نقطۂ نظر آیندہ کیا ہونا چاہئے، کیا اقتدار حاصل کرنے والون کے عیش و آرام کا وہ ذریعہ ہے یا اور کچھ ہے، حالانکہ ابھی کیا حاصل ہوا تھا، لیکن "گربہ را روز اول باید کشت" قرآن نے نازل ہوکر اعلان کیا،

یسئلونك عن الانفال قل الانفال للّٰہ والرسول، — لوگ انفال (جنگ کے حاصل شدہ مال) کے متعلق پوچھتے ہین، کہدو کہ یہ اللہ کا اور رسول کا ہے،

کسی کا کچھ نہین ہے صرف اللہ کا ہے اور اللہ کی مرضی کی نمایندگی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرین گے، اس لئے رسول کا ہے، اب تک جو دنیا کا نقطۂ نظر اموالِ مفتوحہ یا بزور حکومت کی آمدنی کے متعلق تھا، اچانک بدل گیا جب وہ بدل چکا تب اس اجمال کی تفصیل کی گئی،

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمسٰکین وابن السبیل — اس کو جان لو کہ تم نے جو کچھ غنیمت مین حاصل کیا تو اللہ اور رسول اور قرابتمندون یتیمون، مسکین مسافر کے لئے اس مین پانچوان

یعنی جنھون نے لڑائی مین کام کیا ہے، ان کو بھی ان کا خدا ہی حصہ دے گا، لیکن آیندہ سے قانون بن گیا، کہ اس راہ سے جو آمدنی ہوگی، اس مین سے پانچوان حصہ حکومت لے لیگی، باقی سپاہیون پر تقسیم کردیجائے گی،

حکومت کے خزانہ مین جو یہ پانچوان حصہ جمع ہوگا، اس کا مصرف کیا ہوگا، حالانکہ شدید ضرورتین تھین، تنہا اسلام مٹھی بھر مددگارون کے ساتھ دشمنون کے نرغہ مین گھرا ہوا تھا، سارا عرب مشرکین یہود و نصاریٰ حتی کہ رومی اور ایرانی حکومتین جو کرۂ زمین کے اقتدار اعلیٰ کی حیثیت اس وقت

رکھتی تھین، سب کی نگاہین مدینہ کی اس دعوت و تنظیم پر لگی ہوئی تھین، مگر دنیا کی حکومتین جس مسئلہ کو اب تک سوچ نہین سکی ہین، یا سوچ رہی ہین تو عمل نہین کر سکتی ہین،

تمام خطرات سے بے پروا ہوکر اسلامی خزانہ کی اس پہلی آمدنی کو پھر پانچ حصون مین تقسیم کردیا گیا، پانچون مین صرف ایک حصہ اوس وقت کے ذاتی مصارف کیلئے مختص کیا گیا، جس کے ذریعہ سے یہ اقتدار حاصل ہوا تھا، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور ایک حصہ آپکے جان نثار رشتہ دارون کیلئے جنھون نے مکہ سے مدینہ تک آپ کا ہر حال مین ساتھ دیا تھا، باقی تین حصون کو بجائے کشوری و فوجی مصارف کے ملک کے الیتامی والمساکین ابن السبیل (مسافرین) کے لئے چھوڑ دیا گیا، اور یہ تو شروع مین ہوا پھر جب کل پندرہ بیس سال کے قلیل عرصہ مین اسی تین سو تیرہ آدمیون والی جنگ کی فتح کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا، کہ اس مین ساری ایرانی حکومت و بازنطینی حکومت کا اکثر حصہ سما گیا، تو فرعون بنانے والی زمین کے محاصل اور کلاہ کو کج کردینے والی دولت مدینہ والی حکومت کے خزانہ مین سمٹ سمٹ کر آنے لگی، تو کیا اس وقت بھی یہ اصول فراموش کردیا گیا،

واقعہ یہ ہے کہ جب بہ تدریج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی اقتدار عرب مین بڑھنے لگا، اور عرب کے قبائل مختلف طریقون سے آپ کے زیرِ اثر آگئے، مدینہ کے اطراف کے یہود اور خیبر کے یہود کی زمینون پر خدا نے آپ کو قبضہ دلا دیا، اور یون مختلف ذرائع سے آمدنی کا امکان پیدا ہوا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک ہی مین ایسی صورتین اختیار فرمائین، جن کے ذریعہ سے اسلامی خزانہ مین دو قسم کی آمدنیان آنے لگین،

(۱) ایک آمدنی تو وہ ہوئی جس کا نام خراج رکھا جا سکتا تھا، اور یہی بعد کو اس کا نام ہوا، (۲) ایک آمدنی کی مد وہ تھی جس کا نام "الصدقات" تھا،

غیر مسلم اقوام کی زمینون (یعنی کھیتون اور باغون) سے جو آمدنی آتی تھی یا جزیہ کے نام سے

جو محصول اُنسے وصول ہوتا تھا اسکا شمار تو خراج مین تھا، اسکے سوا مسلمانون کی زمین، مسلمانون کی تجارت، مسلمانو نکے مویشی (جو بطور کاروبار کے پالی جاتی تھے اور اکثر زمانہ انکا جنگلون مین گذرتا تھا) مسلمانو نکی اندوختہ دولت بہ شکل سونا چاندی ان چار ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اسی کا نام "الصدقات" تھا، پھر اسی مین غنیمت کے خمس (پانچوین حصہ) حصہ ستو مین حصہ بھی جو "الیتامٰی والمساکین وابن السبیل" کے لئے مخصوص تھا، وہ بھی "الصدقات" مین شریک کر دیا جاتا تھا

خراج کی آمدنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مین تو تھوڑی تھی لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ مین خراجی آمدنیون کا کون اندازہ کر سکتا ہی، حالانکہ گذشتہ حکومتون کے تمام ظالمانہ مطالبات کو حذف کر دیا گیا تھا، اسلامی قانون ہے کہ کسی زمین پر زیادہ سے زیادہ خراج نصف پیداوار سے زیادہ نہ لگایا جائے نیز

ان عتب علی ارض الخراج الماء او	اگر خراجی زمین کو پانی سے نقصان پہنچے
انقطع الماء او اصطلم الزرع فلا	یا آب پاشی کے ذرائع منقطع ہو جائین، یا
خراج علیہ (ہدایہ)	کھیتی برباد ہو جائے، تو ایسی زمینون سے
	خراج وصول نہ ہوگا،

نیز اسی طرح جزیہ سے ظاہر ہے کہ عورت بچے بیمار معذور بڈھے بیروزگار مذہبی طبقہ (مثلاً پادری جوگی) غلام وغیرہ مستثنیٰ تھے، صرف کاروباری آدمیون پر لگایا جاتا تھا، وہ بھی اگر صلحی جزیہ ہے، تو اسکی کوئی مقدار معین نہین، ورنہ یون معمولاً امراء سے تقریباً ایک روپیہ ماہوار یعنی بارہ روپیہ سالانہ متوسط طبقہ والون سے آٹھ آنہ ماہوار یا چھ روپیہ سالانہ ادنیٰ طبقہ سے ۴ ماہوار یا تین روپیہ سالانہ اور درمیانی سال مین اگر کوئی مرجاتا تو اوس سے جزیہ ساقط ہو جاتا، پھر جزیہ کے صدمین غیر مسلم رعایا کو فوجی خدمت سے معاف کر دیا جاتا تھا، ہدایہ مین ہی،

لانہ وجب نصرۃ للمقاتلۃ	کیونکہ جزیہ اس لئے واجب کیا گیا ہی تاکہ

	جنگ کرنے والون کی باشندون کی طرف
	سے امداد ہو،

ابن ہمام اسکی شرح مین لکھتے ہین :-

ای خلفًا عن نصرتہ مقاتلۃ اہل	یعنی اسلامی قلمرو مین جو جماعت جنگی خدمات
الدار لان من ہو من اہل دار	انجام دیتی ہے ان کی امداد کا کام (چونکہ
الاسلام علیہ نصرتہم و	غیر مسلم لوگون سے نہ لیا جاتا تھا) اس لئے
قد فاتت،	اس کے قائم مقام جزیہ کا محصول ان پر
	عائد کیا گیا کیونکہ جو بھی اسلامی قلمرو کا باشندہ
	ہو اس پر واجب تھا کہ جنگ کرنے والون
	کی امداد کرے، اور یہ بات چونکہ ذمیون کے
	کے حق مین باقی نہ رہی (اس لئے ان سے جنگی امداد لیکر جزیہ نہ لیا جاتا ہے)

خلاصہ یہ ہی کہ الخراج[۱] (یعنی جزیہ اور غیر مسلم رعایا کی زمین کی آمدنی خواہ اس زمین کو مسلمانون ہی نے کیون خرید نہ لیا ہو) یہ حکومت کی آمدنی کی ایک علیحدہ مستقل مد تھی، اور اس کے مالک خلفاء ہین، نہ سلاطین، نہ مسلمانون کا کوئی خاص طبقہ بلکہ جیسا کہ قاضی ابو یوسف لکھتے ہین :

الخراج فی لجمیع المسلمین (کتاب الخراج)	خراج تمام مسلمانون کی مشترکہ آمدنی ہی،

---

[۱] فتح کے بعد جن ممالک کی غیر مسلم رعایا کا قبضہ ان کی زمینون پر بحال رکھا گیا، ہو خواہ لڑائی سے ملک فتح ہوا ہو، یا صلح و آشتی سے اس ملک کے لوگون نے مسلمانون کی حکومت تسلیم کر لی ہو، ان زمینون کے مالک وہی غیر مسلم لوگ رہتے ہین، حکومت کو صرف خراج لینے کا حق ہے، البتہ اگر مسلمانون مین کوئی ان سے زمین خرید لیگا تو یون وہ اس کا مالک ہو سکتا ہی لیکن اسکو بھی وہی خراج ادا کرنا پڑے گا، حضرت حسنؓ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف کی کوئی ذاتی کتاب نہین ہے، بلکہ خلیفہ ہارون الرشید نے جو دستور حکومت اپنے لئے اون سے لکھوایا تھا، یہ وہی کتاب ہے، جس کے یہ معنی ہین کہ اس کتاب مین جو کچھ لکھا گیا ہے، کم از کم خلفائے بنی عباس تک وہ مسلّم تھا، اور حکومت مین اوسکی حیثیت قانون کی تھی،

بہرحال خراج سارے مسلمانون کا مال تھا، البتہ خلفاء اس آمدنی کے نگران تھے، اور اپنے صوابدید پر جس کے وہ خدا کے پاس ذمہ دار تھے، خرچ کرنے کا اقتدار رکھتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین جیسا کہ کہہ چکا ہون خراجی آمدنی تھوڑی تھی، اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین تو ہر سال اس خراج کے تقسیم ہونے کی نوبت نہ آتی تھی، بلکہ جب کہین سے خراج آگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صوابدید سے مسلمانون مین اس کو تقسیم کر دیتے تھے، اس تقسیم مین غریب امیر، معذور وغیر معذور سے بحث نہ ہوتی تھی، بلکہ استحقاق کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی تھا،

عہد نبوی مین خراج کی سب سے بڑی آمدنی (ایک لاکھ درہم) بحرین سے آئی تھی، اب تک کوئی باقاعدہ خزانہ کا مکان بھی نہ تھا، مسجد نبوی مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مال ڈالدیا گیا، نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد اپنے صوابدید سے لوگون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقسیم فرمادیا، اور

فما قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اور نہ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ
وسلم وثم منہا درھم	علیہ وسلم اس مقام سے اس وقت تک
(بخاری)	جب تک وہان ایک درم بھی باقی رہ گیا ہو،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۲) حسین وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خراجی زمینین خریدی تھین لیکن ان کو بھی خراج ہی ادا کرنا پڑا،

اس تقسیم مین امیر وغریب کی خصوصیت نہ تھی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کو بھی اس مین حصہ ملتا تھا، حالانکہ صدقہ کا مال بنی ہاشم پر حرام ہے، حضرت عمرؓ کو بھی ایک دفعہ اس کا شبہہ ہوا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آمدنی کی اسی مد سے کچھ دیا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا،

اعطہ من ھو افقر منی	جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو اُسے دیجئے،

انھون نے خیال کیا کہ شاید یہ غریبون کا حق ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماکر

خذہ فتمولہ فما جاءک من ھذا	اسے لو اور اپنا مال بناؤ کیونکہ یہ مال
المال وانت غیر مشرف ولا سائل	تمھارے پاس اس طریقہ سے اگر آئے،
فخذہ ومالا فلا تتبعہ نفسک	کہ تمھارے دل مین اس کی طرف لو لگی
(طحاوی)	نہ ہو اور نہ اس کے متعلق تم نے سوال کیا ہو
	تو اسے لیا کرو اور جو ایسا نہ ہو تو اپنے
	جی کو ادھر نہ لگاؤ،

امام ابوجعفر طحاوی اس روایت کو بیان کرکے لکھتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ

انی لم اعطک ذلک لانک فقیر	مین نے تم کو یہ اس لئے نہین دیا ہے کہ
انما اعطیتک لمعنی آخر غیر الفقر	تم فقیر اور محتاج ہو، بلکہ تم کو مین نے
	کسی اور وجہ سے جو فقیری اور محتاجی
	کے سوا ہے یہ عطیہ عطا کیا ہے،

پھر اس جملہ کی شرح یہ کرتے ہین، کہ

لیس ھذا علی اموال الصدقات — اس کا شمار صدقات کے مال مین نہین
انما ھذا علی الاموال التی یقسمہا — ہے، بلکہ اس مد کا شمار ان اموال مین
الامام علی الناس فیقسمہا علی — ہے جنھین امام لوگون مین بانٹتا ہے،
اغنیائھم و فقرائھم، — امیرون کو بھی دیتا ہے، اور فقیرون کو بھی،

طحاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد مین جو عطیہ و وظائف تقسیم فرمایا
کرتے تھے، وہ بھی اسی مد کی چیز تھی، فرماتے ہین،

کما فرض عمر لاصحاب رسول اللہ — جیسا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم حین دوّن الدواوین — علیہ وسلم کے صحابیون مین اسی آمدنی
ففرض للاغنیاء منھم و للفقراء — کو اس وقت تقسیم کیا، جب دیوان
فکانت تلک الاموال یعطاھا — مرتب فرمایا، حضرت عمرؓ نے اس وقت
الاغنیاء للناس لا من جھة الفقر — ان کے لئے بھی وظیفہ جاری کیا، جو ان
مین امیر تھے، اور ان کے لئے بھی جو فقیر
تھے، الغرض یہ ایسی آمدنی تھی جو لوگون
کو اس لئے نہین دی جاتی تھی کہ وہ فقیر

بہرحال خراج کی آمدنی چونکہ "فی جمیع المسلمین" ہے، اس لئے ہر مسلمان کا اس مین حق ہے،
البتہ اب یہ امام کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے، کہ جب مال ناکافی ہو، تو کن مسلمانون کو پہلے ترجیح
دیجائے، اس کا فیصلہ ان کے خدمات یا دوسرے خصوصیات کو پیش نظر رکھکر وہ کرسکتا ہے، رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ آیا، تو آپ نے پہلے ان لوگون کو ترجیح دی،
جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراجی آمدنی سے کچھ دینے کا وعدہ فرمایا تھا، اور باقی کو

قسمہا بالسویة علی الصغیر والکبیر — پھر سب مین برابر بانٹ دیا، چھوٹے ہون
والحر والمملوک والذکر والانثی — یا بڑے، غلام ہون یا آزاد، مرد ہون
(الخراج لابی یوسف) — یا عورت،

کہا جاتا ہے کہ فی کس شاید سات سات درہم اور کچھ یعنی پونے دو دو روپیہ کے قریب حصہ پہنچا،
دوسرے سال خراج کی آمدنی مین فتوحات کی وسعت کے حساب سے اضافہ ہوا، اس سال بھی
انھون نے سب کو برابر برابر طریقہ ہی سے بانٹ دیا، اب کے بیس بیس درہم یا فی کس تقریبًا پانچ
پانچ روپئے پڑے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس دفعہ لوگون نے کہا بھی، کہ آپ
سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہے ہین، آخر جن کے اسلام مین بڑے بڑے کارنامے ہین، ان
کے حقوق کا بھی تو لحاظ کرنا چاہئے، بولے خدمات اور حقوق کا واقف کار مجھ سے زیادہ کون
ہوسکتا ہے، لیکن ان خدمات کا صلہ خدا کے یہان ملے گا، باقی یہ آمدنی

فھذہ معاش فالاسوة فیہ خیر — یہ تو دنیاوی زندگی گذارنے کا ذریعہ
من الاثرة، — ہے) اس مین برابر برابر تقسیم اس سے بہتر
ہے کہ کسی کو کسی پر ترجیح دیجائے،

معاشیات مین جو مساوات کے حامی ہین، شاید ان کو خبر نہین ہے، کہ ابھی جو بات سوچی جا رہی
ہے، کچھ لوگ اسے کر بھی گذرے ہین، لیکن عہد صدیقی کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ
آیا تو انھون نے مساوات کے اصول کو بدل دیا، اور فرمایا کہ

لا اجعل من قاتل رسول اللہ — جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ
صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل — مین جنگ کی اور آپ کے لڑے ان کو مین ان
معہ، — لوگون کے برابر نہین قرار دیسکتا جنھون نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر جنگ کی،

پھر انھون نے خدمات وحقوق وغیرہ کے لحاظ سے ایک فہرست مرتب کی جو مشہور ہے، بدرئین جو شریک تھے، ان کا سالانہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار درہم یا ایک ہزار ڈھائی سو روپیہ سالانہ، جو بدری نہ تھے، ان کو چار چار ہزار درہم سالانہ، اور اسی طریقہ سے مختلف جہات اور حیثیتون سے انھون نے بعضون کا زیادہ اور بعضون کا کم وظیفہ مقرر کیا، سب سے بڑا حصہ امہات المومنین کا تھا یعنی بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ، اس سلسلہ مین حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کا عطیہ اسامہ ابن زیدؓ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کے بیٹے تھے) سے کم مقرر کیا، حضرت عبد اللہؓ نے اپنے باپ سے شکایت بھی کی، بولے،

ان ابا اسامة کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابیک	اسامہ کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا، اور
وکان اسامة احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منک،	اور اسامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھے،

الغرض آنحضرتؐ کی ذات مبارک کو مرکز قرار دے کر جو آپ سے جتنا جس حیثیت سے زیادہ قریب تھا، اسی قدر آپ نے اس کو ترجیح دی، پھر شہرون مین مدینہ سب سے زیادہ قریب تھا کہ وہی نبی کا مدینہ (شہر) تھا، اس لئے اس کو سب پر مقدم کیا گیا، مدینہ کے بعد مکہ کی باری آئی، آٹھ آٹھ سو درہم سالانہ وہان کے باشندون کے نام بھی جاری ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ آمدنی جیسے جیسے بڑھتی جائے گی، عطایا کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے گا،

مثلاً ابتدا مین مدینہ کے صرف بالغ مردون اور عورتون کے نام وظائف مقرر ہوئے مگر جب وسعت پیدا ہوئی تو

للنفوس اذا طرحته امه مائة درهم واذا ترعرع مائتين	زندہ لڑکے کا بھی وظیفہ سو درم اسی وقت سے مقرر کر دیا جاتا تھا، جون ہی ماں کے پیٹ سے جدا ہوتا، اور جب جوان ہو جاتا تو وظیفہ دو سو درم کر دیا جاتا تھا،

اور یہ طرز عمل تو خراج کی اس آمدنی مین اختیار کیا گیا تھا، جو روپیہ کی شکل مین ہوتی تھی، چونکہ بعض علاقون سے غلہ بھی لیا جاتا تھا، اس لئے مدینہ والون کے نام سالانہ غلہ کی مقدار بھی مقرر کر دی گئی، یعنی فی کس سات ہزار دو سو گز مربع زمین کی پیداوار (گیہون) دیجاتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقطۂ نظر کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ ابو موسیٰ اشعریؓ ایک دفعہ خراج لائے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کتنی رقم ہے، بولے الف الف، اس عدد کو سن کر حضرت عمرؓ کو حیرت ہو گئی اور فرمایا:

هل تدری ما تقول	تم سمجھ بھی رہے ہو کیا کہہ رہے ہو،

ابو موسیٰؓ نے کہا

نعم قدمت بمائة الف ومائة الف حتی عد عشر مرات	جی ہان مین ایک لاکھ اور ایک لاکھ پھر دس تک اسی کو شمار کرتے گئے اپنے ساتھ

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

ان کنت صادقاً لیوتین الراعی نصیبه من هذا المال وهو بالیمن ودمه فی وجهه،	اگر تم سچے ہو تو اس چرواہے کو بھی اس مال سے حصہ پہنچایا جائے گا جو یمن مین ہوگا، اور اس کا پسینہ ابھی اس کے چہرہ ہی پر ہو،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ چند شہروں یعنی مدینہ یا مکہ یا فوجی چھاؤنیوں کوفہ و بصرہ وغیرہ تک اس تقسیم کو محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے، بلکہ ہر مسلمان تک اگر یہ پہونچ سکتی تو آپ کا خیال تھا کہ اسے پہنچایا جائے، کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے خراج کی ساری آمدنی مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نقطۂ نظر کا اعادہ بار بار اپنے خطبوں میں بایں الفاظ فرماتے:

واللہ الذی لا الہ الا ھو ما احد الا ولہ فی ھذا المال حق۔ (الخراج لابی یوسف)

قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کہ ایسا کوئی نہیں ہے جس کا اس آمدنی میں حق نہ ہو،

یعنی بات تو یہی ہے لیکن بعض خاص خصوصیات کی بنا پر پہلے ان لوگوں تک پہونچایا جا رہا ہے جو اس کے زیادہ مستحق ہیں، ان توضیحی خصوصیات کا اظہار بھی آپ نے بایں الفاظ خود فرمایا ہے:

ولکنا نازلنا من کتاب اللہ عز وجل وقسمنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالرجل تلادہ فی الاسلام والرجل قدمہ فی الاسلام والرجل غناءہ فی الاسلام والرجل حاجتہ فی الاسلام۔

یعنی قرآن نے جو مدارج مقرر کئے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے قرب و بعد کے حساب سے جو حصہ لوگوں کو پہنچ سکتا ہو اسلئے تقسیم کے باب میں آدمی کو دیکھا جائے گا اسلام میں اسکی قدامت کیا ہے، اسلام میں اسکی مالی وسعت کا کیا حال ہے، اسلام میں

مطلب وہی تھا کہ قرآن مجید نے خود یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ

فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے خرچ کیا اور جنگ کی، ان کے برابر وہ نہیں ہو سکتے

من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ،

جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی، وہ لوگ درجہ کے حساب سے زیادہ بڑے ہیں، بہ نسبت ان کے جنھوں نے بعد کو خرچ کیا اور لڑے، باقی ہر ایک سے خدا نے اچھی باتوں کا وعدہ فرمایا ہے،

یہ فرقِ مراتب تو ان لوگوں میں تھا، جنھوں نے فتحِ مکہ سے پہلے اور اس کے بعد اسلام کی راہ میں جانی و مالی قربانیاں پیش کی تھیں، پھر جن لوگوں نے یہ قربانیاں کی تھیں، اور جنھوں نے نہیں کی تھیں، ان میں بھی قرآن نے مدارج قائم کر دیے تھے یعنی

لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً۔

ایمان والوں میں جو لوگ (جہاد) سے بیٹھنے والے ہیں، یعنی ان کو کچھ ضرر اور دکھ نہ تھا اور پھر بھی جنگ میں شریک نہ ہوئے، یہ لوگ ان کے برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں کیساتھ اللہ کی راہ میں مالی جانی جہاد کیا ہے، جہاد کرنیوالوں کو خدا نے جہاد سے بیٹھنے والوں پر فضیلت عطا کی ہے اور اچھا وعدہ تو خدا کا سب ہی سے ہے، اور جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر خدا نے بڑے اجر کے ساتھ فضیلت

پھر اسی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی بنا پر بھی قرآن ہی میں

یانساء النبی لستن کاحد
من النساء

اے نبی کی بیبیو! تمھاری حیثیت عام
عورتون جیسی نہین ہی،

وغیرہ آیات مین اس کی جانب اشارہ تھا، اور احسان مندی کا تقاضا بھی یہی تھا اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سارے فضائل کے ثمرات کو اخروی قرار دے کر معاشی لحاظ سے سب کو مساوی کر دیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے معاشیاتی استحقاق مین بھی اس کا خیال کیا، بہر حال دونون ہی کے اجتہاد کی صحیح بنیاد اسلام مین موجود تھی، مگر یہ روایت اگر صحیح ہی کہ آخر عمر مین حضرت عمرؓ

لما رای المال قد کثر

جب انھون نے دیکھا کہ آمدنی بہت
زیادہ بڑھ گئی ہے،

تو یہ آرزو ظاہر کی کہ

لئن عشت من ھذہ اللیلة من
قابل لالحقن اخری الناس باولھم
حتی یکونوا فی العطاء سواء ولکن
توفی رحمة اللہ قبل ذلک،
(الخراج لابی یوسف صفحہ)

اگر آیندہ سال اسی رات تک مین زندہ
رہا، تو پچھلے لوگون کو پہلے لوگون کے ساتھ
ملا دون گا تا آنکہ وظیفہ مین سب برابر
ہو جائین (راوی کا بیان ہی) کہ لیکن
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات
اس سے پہلے ہو گئی،

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کثرت آمدنی کی شکل مین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مساوات ہی کے قائل تھے، یعنی اگر آمدنی اتنی ہو کہ سب پر تقسیم کرنے کی صورت مین ناکافی ہو، اس وقت تو ترجیح و تفضیل پر عمل کرنا چاہیے، لیکن اگر سب کو کافی ہو سکتی ہو تو اس وقت حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مساوات ہی کے قائل تھے، گویا ان کا خیال تھا کہ کما و کیفا مسلمانون کا یہ مال ہر مستحق تک پہونچا دیا جائے، آخر جب یمن کے چرواہے تک اس مال کو وہ پہنچانا چاہتے تھے، تو اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے، کہ ہر مسلمان کو خراج کی آمدنی کا وہ حصہ دینا چاہتے تھے، نیز اگر وہ دوسرے سال تک زندہ رہتے، تو سب کو برابر حصہ دیدیتے، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا،

خراج کی آمدنی کے متعلق جو تفصیل اوپر پیش کی گئی، اس کا یہ مطلب نہین ہی کہ اس آمدنی کا صرف یہی ایک مصرف تھا، کہ مال جمع کیا جائے، اور بقاعدہ صدیقی (یعنی مساوات) یا بقاعدہ فاروقی (یعنی تفصیل و ترجیح) مسلمانون مین تقسیم کر دیا جائے، بلکہ اس آمدنی کا پہلا مقصد یہ ہی کہ مسلمانون کے عام کشوری و فوجی ضروریات پر خرچ کیا جائے، بالاتفاق تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ

ماجباہ الامام من الخراج و من
اموال بنی تغلب و مااھداہ
اھل الحرب الی الامام و بالجزیہ
یصرف فی مصالح المسلمین
کالثغور و بناء القناطر، والجسور
ویعطی قضاة المسلمین وعمالھم
وعلماء ھم منہ مایکفیھم منہ
ویدفع منہ ارزاق المقاتلة و
ذراریھم،
(ھدایہ)

امام (حکومت) کو جو آمدنی خراج سے ہو
اور بنی تغلب کے مال سے جو ملے اور اہل
حرب سے جو کچھ بطور ہدیہ و تحفہ کے اسلامی
حکومت کو دین، اور جزیہ کے ذریعے سے
جو آمدنی ہو، یہ ساری آمدنیان مسلمانون
کی عام ضرورتون پر خرچ کیجائین مثلاً
سرحدون کی حفاظت، دریاؤن پر پل
بنایا جائے، اور مسلمانون کے قاضیون
کو ان کے عمال اور حکام و علماء کو دیا جائے
جو ان کے لئے کافی ہو، اور فوجون کے
بال بچون کی تنخواہون پر یہ آمدنی صرف

جس سے معلوم ہوا کہ عدالت، فوج، پبلک ورکس (مواصلات مثل پل سڑک وغیرہ) یہ تمام مصارف خراج اور متعلقات خراج کی آمدنی سے پورے کئے جائیں گے، صرف یہی نہیں بلکہ تعلیمات کے مصارف کی بابجائی بھی اس آمدنی سے ہونی چاہئے، ابن ہمام لکھتے ہیں:

ویُعطی ایضًا للمعلمین والمتعلمین، — نیز پڑھنے پڑھانے والوں کو بھی اس آمدنی سے دیا جائے،

نیز ہمیشہ اسلامی حکومتوں نے عہد خلافت راشدہ سے آخر زمانہ تک صحتِ عامہ کے لئے دواخانے اور شفاخانے بھی جاری رکھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مد پر بھی اس روپیہ کو خرچ ہونا چاہئے، ان مشترک ضرورتوں کے بعد جو روپیہ بچ جائے وہ مسلمانوں میں خواہ صدیقی خواہ فاروقی اصول سے بانٹ دیا جائے، ممکن ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کو اس پر حیرت ہو، لیکن جب مسلمانوں کا امیر اپنے کو

ما انا فیہ الا کاحدکم (الخراج) — میں تم میں نہیں ہوں لیکن تم ہی میں کسی ایک جیسا (حضرت عمرؓ)

قرار دیتا ہو، اور اپنے بیٹے کو مسلمانوں کے آزاد شدہ غلاموں کے خاندان والوں سے کم حصہ دینے کی بقدر قوت اور ہمت رکھتا ہو، تو جو کچھ کر کے دکھایا جاچکا تھا، صرف وہی نہیں، بلکہ جس کا آئندہ قصد تھا وہ بھی ہو کر رہتا، لیکن کان امر اللہ قدرا مقدورا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے آنے والے حادثہ کی طرف اشارہ فرما دیا تھا کہ

انکم ستلقون بعدی اثرۃ (بخاری) — تم لوگ میرے بعد پھر ترجیحی سلوک کا مشاہدہ کروگے،

بخاری کی بعض روایتوں میں "اثرۃ شدیدۃ" کے الفاظ بھی آئے ہیں، سو دیکھا گیا اور محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے کہ

فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض (بخاری) — پھر صبر کرنا حتی کہ حوض پر مجھ سے آکر مل جاؤ،

جو کچھ ہوتا رہا دیکھتے رہے، اور جن سے اسی حال میں "حوض" پر ملنے کا وعدہ کیا تھا، ان سے اسی حال میں "حوض" پر

غدًا نلقی الاحبہ[1] محمدا وحزبہ

کہتے ہوئے مل گئے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہرحال خراج و متعلقات خراج کے نام سے جو سرمایہ اسلامی حکومت کے خزانہ میں جمع ہوتا تھا، مجھے اس کے متعلق سچ پوچھئے تو خاص بات کہنی بھی نہ تھی، تقریباً اس کے اغراض وہی تھے جو عام طور پر مہذب حکومتوں کے خراج کی غرض ہوتی ہے، البتہ اس آمدنی کا ایک بڑا حصہ علاوہ رفاہیات عامہ کے جو اقتداری حاکمانہ قوتوں کی رنگ رلیوں و علی الاطلاق پر خرچ کیا جاتا ہے، اسلام نے بجائے اس کے اس کا مصرف خود مسلمانوں کو قرار دیا تھا، کیونکہ وہ انہی کا مال ہے حتیٰ کہ کشوری و فوجی ملازمین کو جو تنخواہیں ملتی تھیں بے جھجک اس کی توجیہ ہمارے فقہا یہی کرتے تھے مثلاً ہدایہ میں ہے کہ یہ خرچ اس لئے ہے کہ

هولاء عملتهم و نفقة الذراری علی الآباء فلو لم یعطوا کفایتهم — یعنی سول اور ملٹری، دونوں محکموں کے ملازمین چونکہ مسلمانوں کے عملہ اور نوکر

[1] کل اپنے دوستوں سے ملوں گا، محمد سے اور ان کی جماعت سے، صحابہ کرام عموماً موت سے پہلے اس شعر کو زبان پر جاری فرماتے تھے،

لا احتاجوا الی الاکتساب فلا یتفرغون للقتال،

ہین، اس لئے ان کو تنخواہ مسلمانون کے مال سے ہی ملنی چاہئے، اسی طرح ان کی عورتون اور بچون کو جو ملتا ہے، تو اوسکی وجہ یہ ہے کہ اولاد کے مصارف باپ پر عائد ہوتے ہین، اگر ان کی اولاد کو اتنا نہ دیا جائے جو ان کے لئے کافی ہوسکے، تو پھر ان کو فکر کمانے کی ضرورت باقی رہ جائے گی، پھر جنگ کے لئے فارغ البال ہو کر اپنے آپ

جب "اثرہ" کا دور نہین آیا تھا، اس وقت حکومت کے ان ملازمین کو کیا ملتا تھا قاضی ابویوسف راوی ہین کہ

بعث عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ عمار بن یاسر علی الصلاۃ والحرب وبعث عبد اللہ بن مسعود علی القضاء وبیت المال وبعث عثمان بن حنیف علی مساحۃ الارضین وجعل بینھم شاۃ کل یوم شطرھا وبطنھا لعمار بن یاسر وربعھا لعبد اللہ بن مسعود والشاۃ لعثمان

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے عمار بن یاسرؓ کو بھیجا کہ نماز اور جنگ کی نگرانی انکے سپرد ہے، اور عبد اللہ بن مسعودؓ کو قضا (عدالت) اور بیت المال (خزانہ) پر مقرر کرکے بھیجا، عثمان بن حنیفؓ کو زمین کی پیمایش کے لئے مقرر کرکے روانہ کیا، ان سب کے لئے روزانہ ایک بکری کھانے کے لئے مقرر ہوئی، عمار بن یاسرؓ کو نصف اور چوتھائی اس کا عبد اللہ بن مسعودؓ کیلئے

بن حنیف وقال انی انزلت نفسی وایاکم من ھذا المال بمنزلۃ والی الیتیم فان اللہ تبارک وتعالی قال من کان غنیاً فلیستعفف ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف

دوسری چوتھائی عثمان بن حنیف کے لئے اور کہا کہ مین اپنے کو اور تم کو اس مال کے حساب سے وہی خیال کرتا ہون جو یتیم کے مال کا حال اوس کے ولی کے ساتھ ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ جو امیر ہو وہ یتیم کے مال سے پرہیز کرے، اور جو غریب ہو وہ دستور کے مطابق کھائے

ظاہر ہے کہ یہ عطا (وظیفہ بیت المال) کے سوا ان بزرگون کا یومیہ (راشن) تھا، لیکن فوج، خزانہ، پیمایش و بندوبست تینون محکمون کے اعلی ترین افسرون کے راشن مین بھی کل ایک بکری روز، اور اس پر بھی حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا:

ما اری ارضاً یوخذ منھا شاۃ فی کل یوم الا استسرع خرابھا

ایسی زمین (ملک) جس مین روزانہ ایک بکری (حکام) کے لئے لی جائے مین نہین خیال کرتا کہ اس کی بربادی جلد کیون

بلکہ اسی سے حضرت عمرؓ کے طریقہ:

کان عمر یرزق العامل بحسب حاجتہ وبلدہ، (الاسلام والحضارۃ العربیۃ ص ۱۳۱)

حضرت عمرؓ اپنے عامل (ملازم حکومت) کی تنخواہ اسکی حاجت اور جس شہر مین رہتا ہو اسکے حساب سے دیا کرتے تھے،

کی شرح ہوسکتی ہے،

اور سچ تو یہ ہے کہ مسلمانون نے جب اپنے خلیفۂ اعظم تک کے لئے یہ طے کردیا تھا، کہ بیت المال مین

ان کا حق بھی

قوتہ وقوت عیالہ ولا وکس و	صرف ان کی خوراک اور ان کے بال
لاشطط وکسو تھو وکسوۃ عیالہ	بچون کی خوراک، نہ زیادہ نہ کم، خلیفہ کا
للشتاء والصیف ودابتان الی	لباس، ان کے بال بچون کا لباس، جاڑے
جہادہ وحوائجہ وصلاتہ و	اور گرمی کے لئے دو سواری کے جانور جہاد
وحجہ وعمرتہ،	اور عام ضرورتون، نمازون اور حج وعمرہ
(الاسلام والحضارۃ العربیۃ)	کے لئے دبس کرتا ہے)

سے زیادہ نہین ہے، تو اسکی ماتحت قوتون تک چہ رسد،

ایسی صورت مین اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حوصلہ پیدا ہو گیا تھا، کہ آیندہ ہر مسلمان کو بیت المال سے وظائف برابر مساوی مقدار مین تقسیم کرون گا، تو کیا تعجب ہے، خصوصًا جب ہمارے فقہاء یہ بھی لکھتے ہین کہ مسلمانون کے عام مصالح یا مشترکہ ضرورتون کے لئے حکومت باشندون پر حسب ضرورت زائد ٹکس بھی عائد کر سکتی ہے، جسے اصطلاحًا "النوائب" کہتے ہین، النوائب کی تعریف ہدایہ باب الکفالہ مین یہ کی گئی ہے،

مایکون بحق کگری النھر المشترک	یعنی جو محصول (واقعی ضرورت کے لئے)
واجرۃ الحارس للمحلۃ و	عائد کیا جائے مثلاً ایسی نہر کھودنے کیلئے
الموظف لتجہیز الجیش و	جو عام مشترک ضرورت کے لئے ہو، پہرہ
فداء الاسارے،	دینے والون کی تنخواہ کے لئے جو محلہ
	کی حفاظت کرتے ہون، اور وہ محصول
	جو فوج کی تیاری کے لئے عائد کیا جائے

باشندون پر ان کی مالی حیثیت کے لحاظ سے حکومت کی ضرورت کیلئے

مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی اور صحیح ضرورت پڑ جائے، تو اس وقت حکومت باشندون پر جو ٹیکس خواہ وہ ایک دفعہ وصول کیا جائے یا قسطون پر تقسیم کر دیا جائے، جائز ہے، اور عام پبلک پر اس قسم کے محصول کا ادا کرنا واجب ہے جس کی وجہ ابن ہمام نے یہ لکھی ہے، کہ

لانھا واجبۃ علی کل مسلم موسر	ہر مستطیع مسلمان پر اس محصول کا ادا
بایجاب طاعۃ اولی الامر فیما	کرنا اس لئے واجب ہے کہ اولو الامر
فیہ مصلحۃ المسلمین،	کی اطاعت ان امور مین ضروری ہے
(ص ۳۲۲)	جس مین مسلمانون کی بھلائی ہو،

غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ حکومت کے ہر مطالبہ کی ادائگی کو فقہاء واجب نہین کہتے، بلکہ یہ وجوب ان ہی مطالبون تک محدود ہے، جن کا تعلق مسلمانون کی عام واقعی ضرورتون اور ملک کے ضروری مصالح سے ہو، ورنہ ہدایہ اور اس کی شرح مین اس کے بعد تصریح کر دی گئی ہے کہ حکومت کے ایسے مطالبات جو

لیس بحق کالجبایات فی زماننا ببلاد	حق نہ ہون، مثلاً جو محصول ہمارے زمانہ
فارس علی الخیاط والصباغ و	مین فارسی ممالک مین درزیون اور
غیرھم للسلطان فی کل یوم او	رنگریزون وغیرہ پر بادشاہ کی طرف
الشھر او ثلاثۃ اشھر فانھا	سے ہر روز یا ہر مہینہ یا ہر تین مہینے مین
ظلم	وصول کئے جاتے ہین، تو اس کا ادا کرنا
	ضروری نہین ہے، کہ یہ ظلم ہے،

شمس الائمہ سے ابن ہمام نے نقل کیا ہے، کہ ایسے مطالبات کا نہ ادا کرنا ثواب ہے، ان کے الفاظ یہ ہین:

ان کا حق بھی

قوتہ و قوت عیالہ و کلا و کس و	صرف ان کی خوراک اور ان کے بال
کلا شطط و کسوتہ و کسوۃ عیالہ	بچون کی خوراک نہ زیادہ نہ کم، خلیفہ کا
للشتاء والصیف و دابتان الی	لباس ان کے بال بچون کا لباس جاڑے
جہادہ و حوائجہ و صلاتہ و	اور گرمی کے لئے دو سواری کے جانور جہاد
وحجہ و عمرتہ،	اور عام ضرورتون نمازون اور حج و عمرہ
(الاسلام والحضارۃ العربیۃ)	کے لئے دبس کرتا ہے)

سے زیادہ نہین ہے، تو اسکی ماتحت قوتون تک چہ رسد،

ایسی صورت مین اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حوصلہ پیدا ہو گیا تھا، کہ آیندہ ہر مسلمان کو بیت المال سے وظائف برابر مساوی مقدار مین تقسیم کرون گا، تو کیا تعجب ہے، خصوصاً جب ہمارے فقہاء یہ بھی لکھتے ہین کہ مسلمانون کے عام مصالح یا مشترکہ ضرورتون کے لئے حکومت باشندون پر حسب ضرورت زائد ٹیکس بھی عائد کر سکتی ہے، جسے اصطلاحاً "النوائب" کہتے ہین، النوائب کی تعریف ہدایہ باب الکفالہ مین یہ کی گئی ہے،

	[illegible]	
مایکون بحق لکری النہر المشترک		یعنی جو محصول (واقعی ضرورت کے لئے)
واجرۃ الحارس للمحلۃ و		عائد کیا جائے مثلاً ایسی نہر کھودنے کیلئے
الموظف لتجہیز الجیش و		جو عام مشترک ضرورت کے لئے ہو، پہرہ
فداء الاسارے،		دینے والون کی تنخواہ کے لئے جو محلہ
		کی حفاظت کرتے ہون، اور وہ محصول
		جو فوج کی تیاری کے لئے عائد کیا جائے

مطلب یہ ہی کہ اگر واقعی اور صحیح ضرورت پڑ جائے، تو اس وقت حکومت باشندون پر جدید ٹیکس خواہ وہ ایک دفعہ وصول کیا جائے یا قسطون پر تقسیم کر دیا جائے، جائز ہے، اور عام پبلک پر اس قسم کے محصول کا ادا کرنا واجب ہی جس کی وجہ ابن ہمام نے یہ لکھی ہے، کہ

لانہا واجبۃ علی کل مسلم موسر	ہر مستطیع مسلمان پر اس محصول کا ادا
بایجاب طاعۃ اولی الامر فیما	کرنا اس لئے واجب ہی کہ اولوالامر
فیہ مصلحۃ المسلمین،	کی اطاعت ان امور مین ضروری ہی
(ص ۳۲۲)	جس مین مسلمانون کی بھلائی ہو،

غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ حکومت کے ہر مطالبہ کی ادائگی کو فقہاء واجب نہین کہتے، بلکہ یہ وجوب ان ہی مطالبون تک محدود ہے، جن کا تعلق مسلمانون کی عام واقعی ضرورتون اور ملک کے ضروری مصالح سے ہو، ورنہ ہدایہ اور اس کی شرح مین اس کے بعد تصریح کر دی گئی ہی کہ حکومت کے ایسے مطالبات جو

لیس بحق کالجبایات فی زماننا ببلاد	حق نہ ہون، مثلاً جو محصول ہمارے زمانہ
فارس علی الخیاط والصباغ و	مین فارسی ممالک مین درزیون اور
غیرہم للسلطان فی کل یوم او	رنگ ریزون وغیرہ پر بادشاہ کی طرف
الشہر او ثلاثۃ اشہر فانہا	سے ہر روز یا ہر مہینہ یا ہر تین مہینے مین
ظلم	وصول کئے جاتے ہین (تو اس کا ادا کرنا
	ضروری نہین ہی) کہ یہ ظلم ہی،

شمس الائمہ سے ابن ہمام نے نقل کیا ہے، کہ ایسے مطالبات کا نہ ادا کرنا ثواب ہے، ان کے الفاظ یہ ہین:

اما فی زماننا فاکثر النوائب توخذ ظلماً ومن تمکن من دفع الظلم عن نفسه فهو خیرله،
(فتح القدیر ص ۳۳۴ جلد ۵)

ہمارے زمانہ مین یہ عموماً جو محصول وصول کئے جاتے ہین، چونکہ یہ ظلماً وصول کئے جاتے ہین، اور ظلم کے ازالہ کا جس کو جتنا موقع ملے، وہ اس کے لئے بہتر ہے،

یہ تو ایک ضمنی بات آگئی مین یہ کہہ رہا تھا، کہ خراج اور خراج کے مصارف بجز اس نقطۂ نظر کے کہ وہ حکومت کی نہین بلکہ عام مسلمانون کی ملکیت ہے، اور اس لئے مسلمانون کی عام ضرورتون سے جب بچ جائے تو قدرۃً بچی ہوئی رقم ان ہی مین بانٹ دی جائے، اس کے سوا اور کوئی اہم خصوصیت حکومت کی اس آمدنی کی نہین ہے، یا جی چاہے تو پیداوار کے نصف سے خراج کا تجاوز نہ ہونا، وصول کرنے مین حتی الوسع نرمی اختیار کرنا سیلاب یا خشکی یا کسی دوسری وجہ سے اگر فصل خراب ہو جائے تو خراج کا کم کر دینا یا معاف کر دینا، ان باتون کا بھی اسلامی خراج کے خصوصیات مین کوئی چاہے تو اضافہ کر سکتا ہے، مگر مشکل تو یہ ہے کہ زبان سے تو آج تقریباً دنیا کی اکثر حکومتین اس کی بلکہ اس سے زیادہ مراعات کی مدعی ہین، پھر ایسی باتون کے ذکر مین وقت کیون ضائع کیا جائے یا ان معاملات مین دنیا اگر اسلامی اصلاحات کی منت شناسی سے انکار کرنا چاہتی ہے، تو اب اس سے خواہ مخواہ لڑنے کی کیا حاجت ہے،

روم اور ایران کی حکومتون کا کسانون کے ساتھ کیا برتاؤ تھا، اور اسلام نے اس مین کیا ترمیم کی ایک طویل مقالہ کا مضمون ہے، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جرجی زیدان جیسی حق پوش ہستی جسے اسلام کی ہر بڑی بات کو چھوٹی ثابت کرنے مین معصومانہ کمال حاصل ہے، اس کا قلم بھی زمین کے خراج کے متعلق نہین بلکہ اسلامی خراج کے مشہور بدنام دوسرے جز یعنی "جزیہ" تک کے متعلق اضطراراً اس اعتراف پر مجبور ہوا،

والجزیة التی کانوا یتکلفون دفعها الی المسلمین اقل کثیر عن مجموع الضرائب التی کانوا یودونها الی الروم او الفرس؛
(تاریخ التمدن الاسلامی ج ا ص ۲)

مسلمانون کو جزیہ کے نام سے جو رقم (رومی و ایرانی رعایا) کو ادا کرنی پڑتی تھی ان محصولون کی مجموعی تعداد سے وہ بہت ہی کم تھی، جو یہی لوگ روم اور ایران کی حکومت کو ادا کیا کرتے تھے،

بہرحال حکومت کے خزانہ مین جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے، موجودہ زمانہ تک اس کے اغراض اس سے زیادہ نہین بڑھے ہین، کہ ملک کے باشندون کی مشترکہ اور عام ضرورتون یا مصالح کے لئے اس آمدنی کے ایک حصہ کو مخصوص کرنا چاہئے، مین بتا چکا ہون کہ خراجی آمدنی کا ایک بڑا مصرف اسلام نے بھی یہی مقرر کیا ہے، پہلے بھی اس کے متعلق ہدایہ سے ایک عبارت پیش کی جا چکی ہے ابن ہمام لکھتے ہین، کہ جو مصارف خراج کے ہین اسی طرح

کذ الجزیة فی عمارة القناطر والجسور وسد الثغور وکری الانهار العظام التی لا ملك لاحد فیها کجیحون والفرات ودجله والی ارزاق القضاة والمحتسبین والمعلمین والمقاتلة وحفظ الطریق من اللصوص (ص ۳۵۲ باب الجزیه)

اسی طرح جزیہ کی آمدنی پلون اور گذرگاہون کی تعمیر، سرحدون کے استحکام بڑی بڑی نہرین جو کسی کی ملک مین نہین ہین مثلاً جیحون فرات، دجلہ نہر کھود کر نکالنا، قاضیون کی محتسبون، معلمون، فوجیون کی تنخواہ، راستہ کی حفاظت چورون سے وغیرہ ان ہی مصارف مین یہ گویا محکمۂ مواصلات (ریل سڑک) محکمۂ آبپاشی عدالت پولیس تعلیمات وغیرہ اور فوجی شعبون پر ان کو

خرچ ہونا چاہئے اور عام طور پر دنیا کی مہذب حکومتین یہی کرتی ہین، البتہ جو رقم اس مد کی خزانہ مین بچ جائے، اس کو پھر اس کے حقیقی مالک کو یعنی عام مسلمانون مین امام اپنے صوابدید سے تقسیم کردے بس یہی ایک بات اسلام مین نئی ہے، لیکن جیسا کہ مین نے عرض کیا ملک کی ایک اور بڑی ضرورت ہے جس سے کسی حال مین بھی قطع نظر نہین کیا جاسکتا، یعنی معذورون، بے روزگارون، یتیمون بیواؤن کا مسئلہ جس کے حل کے لئے آج دنیا مختلف شکلین بیمۂ انشورنس انجمن ہائے اتحاد باہمی وغیرہ کی صورتون مین اختیار کر رہی ہے، اور حکومتین بھی کچھ ان کے ساتھ نیم دلچسپی لے رہی ہین لیکن ابھی باضابطہ اس مسئلہ کو کسی حکومت نے براہِ راست ہاتھ مین لینے کی جرأت نہین کی ہے، ان کو اندیشہ ہے، کہ اگر اس سلسلہ کو چھیڑا گیا، تو حکومت کی موجودہ آمدنی اس کیلئے کافی نہین ہوسکتی، اور محصولات کے بڑھانے مین ملک کی عام ناراضی کا اندیشہ ہے، لیکن اسلام نے ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلی آمدنی بزور حکومت اس کے خزانہ مین آئی، اسی مسئلہ کو سب سے پہلے اس نے اپنے سامنے رکھ لیا، اور جیسا کہ مین کہہ چکا ہون، بدر کی فتح سے غنیمت کے خمس (پانچوین حصہ) کی صورت مین اسلامی حکومت کو جو پہلی آمدنی ہاتھ آئی، اس پہلی آمدنی کے تین حصون کو ملک کے اسی طبقہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا، جن کے مسئلہ کو باوجود شدید احساس کے حکومتین اپنے ہاتھون مین لینے سے ہچکچا رہی ہین، لیکن قرآن مین اس وقت جو آیت ان لوگون کے متعلق نازل ہوئی، وہ مجمل تھی یعنی "الیتامی والمساکین وابن السبیل" محض ان تین قسم کے لوگون کا نام تھا، لیکن جون ہی اسلام کا قدم آگے بڑھنے لگا، اور حکومتی اقتدار مین دن بدن اضافہ شروع ہوا تو قرآن مجید مین حکومت کے ذریعہ سے اس حاصل شدہ اقتدار و قوت کے استعمال کا مسلمانون کو ایک ایسے طریقہ سے روشناس کیا گیا جس سے شاید اب تک دنیا کی حکومتین ناواقف تھین اور اب تک ان مین سے کسی کو حکومت کی قوت کو اس راہ مین استعمال کرنیکی ہمت نہین ہوئی،

(باقی)

شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک

(استدراک و تنقیح)

از

مولانا مسعود عالم ندوی

(۳)

اس مضمون کی پہلی دو قسطون مین نجدوین کا ذکر بار بار آیا ہے، اب موقع ملا ہے کہ اس سلسلے مین کچھ تفصیل سے عرض کیا جائے،

تمام اہلِ حدیث حضرات سے عام طور پر اور اہلِ صادق پور سے خاص طور پر مولینا سندھی کو یہ شکایت ہے کہ وہ بیرونِ ہند (نجدوین) کی تحریکون سے متاثر ہو کر، شاہ صاحبؒ کے طریقے سے الگ ہوگئے، یہ شکایت متعدد جگہون پر مختلف پیرایے مین دہرائی گئی ہے (ص ۱۴۰-۱۲۹)

ان سب مین ٹیپ کا بند یہ ٹکڑا ہے:

"......لکن بعد ما اشتبک بعض	(لیکن جب بعض صادق پوری رہنما
ائمة الصّادق پوریین مع الظاهریّة	اہل ظاہر محدثین، یمن کے زیدیون اور
المحدثین و زیدیّة الیمن و	نجد کے حنبلیون سے دوچار ہوئے، اور
حنابلة النجد (؟ نجد) و خرجوا	صدر شہید کے طریقے سے الگ ہوگئے تو

عما کان علیہ الصدد الشہید حدث	دونوں جماعتوں (حزب دہلوی اور
الاختلاف الکثیر بین (؟) العلو ھو	حزب صادق پوری) کے علوم اور معارف
المعارف بین الحزبین. (ص ۱۳۳)	میں بڑا اختلاف رونما ہوگیا)

ظاہریہ، محدثین، حنابلۂ نجد، گو تین لقب ہیں، مگر ان تینوں کے مصداق غالباً نجد کے حنبلی ہی ہیں، اس لئے ہم پہلے یمن کے زیدیوں سے شروع کرتے ہیں، اس تحریر کے پڑھنے والوں کو غالباً اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں، کہ "بعض ائمۃ الصادقپوریین" کا اشارہ مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) کی طرف ہے، ان کا قصور یہ ہے کہ یہ سفر حج (۱۲۴۰ھ) کے سلسلہ میں یمن ہوتے ہوئے قاضی محمد بن علی شوکانی (ف ۱۲۵۰ھ) سے سند و اجازت حدیث لے آئے تھے، جسے مولینا عبید اللہ معاف کرنے کیلئے تیار نہیں، اس لئے کہ ہمارے مولینا کے نزدیک امام شوکانی قطعی طور پر زیدی ہیں، صاحب نیل الاوطار کے علم و کلام کا انھیں پورا اعتراف ہے، لیکن تقلید کی جکڑ بندیوں سے آزادی انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی، بہرکیف شوکانی کے متعلق مولینا کی رائے سننے کے لائق ہے :

"......واشتغلت بالاستفادۃ	(اور میں انکی کتابوں سے ایک عرصہ تک
من کتبہ مدۃ طویلۃ وانی	استفادہ کرتا رہا، اور مجھے اس کا اقرار
معترف بان اللہ اعاننی بتلک	ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے
التصانیف علی فہم طرق بقیۃ	ذریعہ مجھے محققین کے طریقے کے سمجھنے کا
المحققین لکن ماوافقت الشوکانی	سلیقہ عطا کیا، لیکن بہتیرے اجتہادی
فی کثیر من مجتہداتہ والذی	مسئلوں میں ان کی مخصوص رائے سے
اعتقد فی حقہ انہ عالم منصف	اتفاق نہ کرسکا، اور ان کے متعلق میری

مجتہد فی الاصول والفروع،	رائے یہ ہے کہ وہ ایک انصاف پسند
زیدی ینصر السنۃ، لکن لایوافق	عالم، اصول و فروع میں مجتہدانہ نظرو
اہل السنۃ الفقہاء ولا اہل	فکر رکھتے ہیں، زیدی ہیں اور سنت کے
الظاہر منہم فی جمیع مایفردونہ	حامی، لیکن تمام باتوں میں نہ تو وہ اہل
(ص ۱۳۹)	سُنّت فقیہوں کے ہم نوا ہیں نہ ظاہریوں کے)

زیدیت کے سوا، راقم کو اس "چارج شیٹ" کے حرف حرف سے اتفاق ہے، واقعی وہ محقق ہیں، اور اصول و فروع میں مجتہد بھی، القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید اور ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول اس پر گواہ ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ وہ فقہ میں فقہا اور ظاہریوں دونوں سے متعدد مسئلوں میں الگ رائیں بھی رکھتے ہیں، الدرر البہیہ اور اسکی شرح الدراری المضیئۃ اس کی آئینہ دار ہیں، پر اس کے باوجود وہ زیدی نہیں، تحقیقی مسلک اور مجتہدانہ نظر و فکر سے زیدیت تو لازم نہیں آتی، اور یہ ایسی روشن حقیقت ہے، جسے ہر طالب علم جانتا ہے، لیکن جب ایک جہان دیدہ عالم انھیں زیدی کہتا ہے اور اس کی بنیاد پر قیاس و تخمین کے ہوائی قلعے[1] بھی تیار کرتا ہے، . . . .

[1] مولانا، پہلے شوکانی کو زیدی کہتے ہیں، اس کے بعد ان کے ایک شاگرد (عبدالحق بنارسی) کو زیدی شیعہ کہتے ہیں، اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ سید شہیدؒ کی غیبوبت کے مسئلے میں یہ شیعہ (عبدالحق بنارسی) اور شوکانی کا ایک دوسرا شاگرد (ولایت علی) پیش پیش تھے، گویا کہنا یہ چاہتے ہیں (گو صاف صاف نہیں کہتے) کہ سید صاحب کی غیبوبت کا خیال شیعوں سے مستعار لیا گیا ہے، کہاں کی بات کہاں پہنچا دی! یہ ہوائی قلعے نہیں تو اور کیا ہیں ؟

لیکن بدقسمتی سے اسکی پہلی اینٹ ہی غلط رکھی گئی، یعنی شوکانی پر زیدیت کا الزام، اور اگر تھوڑی

تو پھر جانی بوجھی ہوئی چیز کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہو جاتا ہے، خاکسار کی یہ کوشش ہوگی کہ مختصر سے مختصر طور پر اپنی گذارشیں پیش کر دے :-

(۱) مولانا کے انداز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن میں زیدی ہی زیدی ہیں، اور وہاں کسی متبع سنت عالم کا وجود وہ مستبعد خیال کرتے ہیں، لیکن یہ واقعہ اور حقیقت کے خلاف ہے، یمن میں محقق اہل سنت علماء کا گروہ ہمیشہ اور ہر دور میں رہا ہے، ان کی تصنیفیں "یمنی ایمان" اور "یمنی حکمت" کے نمونوں سے بھری پڑی ہیں،

(الف) السید محمد بن ابراهیم بن عبد اللہ عز الدین المرتضی ابن الهادی ابن الوزیر صاحب العواصم والقواصم فی الذب عن سنة ابی القاسم (ف ۸۴۰ھ) ان محقق علمائے سنت کے سرخیل ہیں، علامہ ابن الوزیر کے "تسنن" میں تو شاید ہمارے مولنا کو بھی کلام نہ ہو، انھوں نے اپنی تصنیفات میں زیدیت سے صاف صاف برأت کی ہے، البتہ یہ دوسرے فقہی مذاہب کی تقلید سے بھی آزاد ہیں جسے شاید مولانا عبید اللہ پسند نہ کریں، یہ موقع طول کا نہیں، تفصیلی حالات و

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۵) دیر کے لئے اُسے مان بھی لیا جائے (جیسا کہ ہم نے کہیں پچھلے نمبر میں بھی اشارہ کیا ہے) تو زیدیت سے غیبوبت کا عقیدہ کس طرح مستعار لیا گیا ؟ زیدیت اور اثنا عشریت میں بڑا فرق ہے، امام غائب کا عقیدہ اثنا عشریوں کا جزو ایمان ہے، زیدی اس کے قائل نہیں، یہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم ش ۱۲۲ھ) کے پیرو ہیں، زیدیت کے متعلق تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، (i) توضیح المسائل العقلیۃ از عماد الدین یحیٰی بن محمد بن حسن بن مسعود المقرائی الزیدی (من رجال القرن العاشر للہجرۃ) ورق ۲۴، ۲۱۲۰ ب (ii) الملل والنحل (شہرستانی) ص ۱۱۵-۱۲۱، لندن (iii) تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبد العزیز صاحب) ص ۱، نیز دیگر مطبوعہ اور قلمی کتابوں کے حوالے کے لئے ملاحظہ ہو، فہرست مشروح انگریزی، مشرقی کتب خانہ، پٹنہ جلد ۱۰ نمبر ۶۳۲، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بمضمون الزیدیۃ (۴: ص ۱۱۹۶)

افکار کے لئے ملاحظہ ہو:- المعجم لابن فہد المکی (ف ۸۸۵ھ) ورق ۶۰، ۱۱ الف مخطوطہ مشرقی کتابخانہ نمبر ۲۴۴۹؛ الضوء اللامع، جلد ۶ ص ۲۷۲؛ اتحاف النبلاء، ص ۴۰۳-۴۰۴؛ بروکلمن، ۲: ۱۸۸؛ ذیل، ۲: ۲۴۹، نیز البدر الطالع: ۲، ۸۱-۹۳)

(ب) امام محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی الصنعانی (ف ۱۱۸۲ھ) صاحب سبل السلام شرح بلوغ المرام، زیدیت کی تردید میں ان کی ایک مستقل کتاب جواب اہل السنۃ فی نقض کلام الشیعۃ و الزیدیۃ (مخطوطہ مشرقی کتابخانہ نمبر ۱۱۸۵) موجود ہے، جسے پڑھکر ان کے اتباع سنت کا جذبہ معلوم کیا جا سکتا ہے، اور یوں ان کے عقائد و افکار کا سرسری اندازہ لگانے کے لئے ان کے مختصر رسالے تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد کا مطالعہ کافی ہو گا، جس کا لہجہ تقویۃ الایمان سے بھی زیادہ سخت ہے، البتہ تقلید کے یہ بھی دشمن ہیں، اور سخت، حرم میں چار مصلوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"......ما احدث فیہ (الحرم)	"......یہ جو بعض جاہل گمراہ کن جابر کسی
بعض ملوک الشراکسۃ الجہلۃ	فرمانرواؤں نے حرم میں عبادت کیلئے چار
الضلال ھذہ المقامات الاربعۃ	مقامات الگ الگ کر دیئے ہیں، اللہ ہی
التی فرقت لعبادات العباد و اشتملت	بہتر جانتا ہے کہ اس تفریق میں (جو گویا
علی ما لا یحصیہ الا اللہ من الفساد	بندوں کی پرستش کیلئے ہوئی ہے) فتنہ و فساد
......(تطہیر الاعتقاد مطبع المنار ۱۳۴۰ھ	کے کتنے جراثیم چھپے ہوئے ہیں،

---

۱ ابن فہد (ف ۸۸۵ھ) کی معجم چونکہ قلمی اور کمیاب ہے، اسلئے علامہ ابن الوزیر کے متعلق انکا بیان نقل کر دینا بہتر ہوگا:

وینتمی الی مذہب اہل الحدیث کعادۃ الحنابلۃ شدید المیل الی السنۃ و یتظاہر بمذہب اہل السنۃ بخلاف اہل بیتہ و یجتہد فی اقوال الائمۃ و یختار ما رجح عندہ دلیلہ ...... والف مؤلفات مفیدۃ تؤذن بکثرۃ فضلہ ...... واکثر من الرد علی الزیدیۃ الذین الزموا منہ اتباع مذہب اہل السنۃ (المعجم لابن فہد المکی ورق ۶۰، ۱۱ الف)

(۲) انھی دونون بزرگون کی طرح امام محمد بن علی شوکانی (المولود ۱۱۷۲ھ - المتوفی ۱۲۵۰ھ) بھی محقق سلفی عالم ہین، علامہ ابن الوزیر اور امام محمد بن اسماعیل الامیر کی طرح انھون نے بھی زیدیت کی جابجا تردید کی ہے، اصول و فروع زیدیہ کی تردید مین مستقل رسالے لکھے ہین، ان کو زیدی کہنا حق وصداقت کا منہ چڑھانا ہے، شواہد ملاحظہ ہون:-

(الف) زیدی عقائد مین معتزلہ سے قریب ہین، اور اپنے کو اہل العدل والتوحید کہتے ہین،

"اکثر زیدیہ در فروع موافق مذہب حنفیہ اند و در اصول مطابق اعتقاد معتزلہ"

(تحفہ اثنا عشریہ: ص ۱۷ وغیرہ)

امام شوکانی عقائد مین ٹھیٹھ سلفی ہین، ان کا مختصر رسالہ التحف فی مذاہب السلف اس پر سند ہے؛

(ب) زیدی فروع مین ایک خاص مسلک رکھتے ہین، اور حنفیہ سے قریب ہین، امام نے ان کے مخصوص مسائل کی تردید مین متعدد رسالے لکھے ہین:-

(ا) السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازھار مین زیدیہ کی سب سے زیادہ مقبول کتاب الازہار فی فقہ الائمۃ الاطہار کا کھرا کھوٹا الگ الگ کر دکھایا ہے، الازہار امام احمد بن یحییٰ ابن مرتضی احمد بن مرتضی بن مفضل (ف ۸۴۰ھ) کی تصنیف ہے، اور فقہ مین اہل یمن کا مرجع و ماویٰ ہے، علمائے یمن نے اس کی بیسیون شرحین لکھی ہین، خود مصنف نے الغیث المدرار کے نام سے چار جلدون مین اس کی شرح لکھی ہے، (تاریخ الیمن لعبد الواسع الیمنی: ص ۲۴ بروکلمن ۱۸۷،۲؛ ذیل ۲=۲، ۵-۲۴۴)، اسی الازہار کی تنقید کی وجہ سے صنعاء مین شوکانی کے حامیون اور ان کے مخالفون کے درمیان سخت ہنگامہ برپا ہوا:

"......وثارت من اجل ذلک فتنة فی صنعاء الیمن بین من هو مقلد وبین من هو مقتد بالدلیل فتوهما من المقلدین انه ما اراد الا هدم مذهب اهل البیت لان الازهار هو عمدتهم فی هذه الاعصار......"

اور اسی وجہ سے صنعاء (یمن) مین مقلدون اور دلیل وحجت پر عمل کرنے والون کے درمیان بڑا ہنگامہ ہوا، مقلد یہ سمجھے کہ یہ (شوکانی) اہل بیت کا مذہب ختم کرنا چاہتے ہین، چونکہ پچھلی صدیون مین الازہار ہی پر ان کا تکیہ رہا ہے،

(حسین بن محسن[1] السبعی: نیل الاوطار ج ۱ ص ۳)

نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی غالبًا اسی فتنے کی طرف اشارہ کیا ہے:

"زیدیہ را بسبب رد بر مذہب ایشان تعصبے تمام با او بود، بارہا بصورت بلوی بر آمدہ خانہ اورا محاصرہ کردند، چون وے یکبار از خانہ بر آمد ہمہ بگریختند؛ الخ"

(اتحاف النبلاء ص ۴۰۹)

(ا) الصوارم الھندیہ المسلولة علی الریاض الندیہ:

زیدیہ وضوء سے پہلے غسل فرجین کے قائل ہین، اور یہ ان کے نزدیک وضو کے ارکان مین داخل ہے، اسی کی تردید مین یہ رسالہ ہے،

(ا) تشنیف السمع بابطال ادلة الجمع زیدیہ حضر مین بھی جمع صلاتین کے جواز کے قائل ہین، قاضی شوکانیؒ نے تشنیف السمع مین اس کی تردید کی ہے، زیدیہ کی تردید مین ان کے اور بھی

---

[1] نیل الاوطار جلد اول (مطبوعہ مصر ۱۲۹۷ھ) کے آغاز مین (ص ۴-۱۴ ۹) حسین بن محسن السبعی الانصاری (ف ۱۳۲۷ھ) کے قلم سے مصنف نیل کا ترجمہ درج ہے، یہ ٹکڑا انھون نے عبد الرحمٰن بن احمد البہکلی تلمیذ شوکانی کی کتاب (نفح العود فی ایام الشریف حمود) سے نقل کیا ہے،

رسالے ہین جن کا استقصا یہان مشکل ہی،

(ج) الدر النضید فی اخلاص کلمة التوحید، امام شوکانی کا ایک چھوٹا سا توحیدی رسالہ ہے جس کے مضامین تقویۃ الایمان اور کتاب التوحید سے ملتے جلتے ہین، اور تشدد کا بھی وہی انداز ہے، جزئی اختلافات کا تذکرہ آگے آئے گا، شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (ف ۱۲۰۶ھ) کی طرح[1] انھون نے بھی اس رسالے مین قصیدۂ بردہ کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے :-

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ ۔۔۔ سواک عند حلول الحادث الجسم

(اے مخلوقات مین سب سے زیادہ بزرگ مصیبتون کے عالم مین آپکے سوا میرا کون ہو؟ جسکے دامن کی پناہ لے سکون)

(د) شوکانی حدیث کے باب مین خالص اہل سنت کا مسلک رکھتے ہین، اور صحیحین کو وہی درجہ دیتے ہین جس کی یہ مستحق ہین، تحفۃ الذاکرین[2] کے تمہیدی مقدمے مین لکھتے ہین :-

"...... واعلم ان من کان من احادیث هذا الکتاب فی الصحیحین فقد اسفر صبح الصحة لکل ذی عینین لانه قد قطع فیها عرق النزاع ما صح من الاجماع علی تلقی جمیع الطوائف الاسلامیة لما فیهما بالقبول وهذه رتبة فوق رتبة التصحیح عند جمیع اهل المعقول والمنقول (دیباچه)

واضح رہے کہ اس کتاب کی جو حدیثین صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) مین ہین، تو ان کی صحت روز روشن کی طرح آشکارا ہو چکی ہے، اس لئے کہ ان کی قبولیت پر تمام اسلامی جماعتون کا اجماع ہو چکا ہے، جس نے ان کے باب مین کسی اختلاف کی گنجایش ہی نہین باقی رکھی، ہو اور تمام اہل معقول ومنقول کے نزدیک یہ تصحیح کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے"

اب ہمین بتانا چاہئے کہ کوئی زیدی صحیحین کو غیر مشروط طور پر قبول کر سکتا ہے؟

[1] کتاب التوحید مطبوعہ باہتمام شرف الدین الکتبی، الدر النضید ص ۲۹ مصر ۱۳۴۳ھ

[2] ابن ہمام جزری (ف ۸۳۳ھ) کی حصن حصین کی شرح شوکانی نے تحفۃ الذاکرین کے نام سے لکھی ہے۔

نرم سے نرم زیدی بھی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی افضلیت اور استحقاقِ خلافت سے دست بردار نہین ہو سکتا، اور صحیحین کے تسلیم کرنے سے اس عقیدے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے[1]،

یہان تک امام شوکانی کی زیدیت پر گفتگو تھی، لیکن مولانا کو اس سلسلہ مین یمن کے اس نامور عالم سے ایک اہم شکایت ہی، اچھا ہو کہ آپ انہی کی زبان سے سنئے :-

"یمنی تحریک کے ایک بزرگ امام شوکانی محقق محدث ہین، اور حزب ولی اللہ کے اتباع مین سے بعض فرقے مستقل طور پر اُن کی اتباع کا دم بھرتے ہین، وہ دیکھتے ہین کہ اتباعِ سنت کی تفصیلی دعوت مین امام شوکانی حزب ولی اللہ کا مساہم ہے، مگر حقیقت شناس جانتے ہین کہ شوکانی زیدی ہین، اس لئے حنفیہ سے گو بعض مسائل مین اشتراک ضروری ہے، پھر بھی وہ حجتِ اجماع پر صاف رائے نہین رکھتے، قاضی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول اور مولانا شہیدؒ کا رسالہ اصول فقہ ملا کر پڑھئے، تو فرق واضح ہو جائے گا[2]۔"

اعتراض یہ کیا گیا ہو کہ شوکانی حجتِ اجماع پر صاف رائے نہین رکھتے لیکن مولانا اگر اس اعتراض کو یون ادا کرتے، کہ اجماع کے مسئلے مین شوکانی حنفیہ کے ہم خیال نہین، تو

[1] مثال کے طور پر صحیح بخاری مین باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد کے ابواب (ج ۲ ص ۱۹۹؛ اور اس کے بعد، مطبع شرقیہ، مصر ۱۳۰۴ھ) سے کوئی زیدی (کتنا ہی روادار کیون نہ ہو) اتفاق نہین کر سکتا

[2] مولانا نے دونون کتابون سے اقتباسات دے کر اس فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، ہمین رسالہ اصول فقہ اور ارشاد الفحول کے نقطہ ہاے نگاہ کے اختلاف سے انکار نہین، لیکن مولانا نے ارشاد الفحول کا صرف وہ ٹکڑا نقل کیا ہو، جہان شوکانی نے عام اجماع کی حجیت سے انکار کیا ہو (ص ۷۰، ۱۳۹)

تو زیادہ صحیح ہوتا، اور یہ کوئی وجہ شکایت نہیں، جب آپ انھیں "مجتہد فی الاصول والفروع" مان چکے، تو پھر آپ انھیں اپنے خاص مسلک کا پابند کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟ اجماع کے باب میں یہ کوئی نیا اختلاف نہیں، اجماع کی تعریف (حد و رسم) ارکان، شرائط، کس میں سخت سے سخت اختلافات نہیں؟ حنابلہ اور اہل ظاہر صرف اجماع صحابہ کو مانتے ہیں، خود امام احمد بن حنبل (ف ۲۴۱ھ) سے دو روایتیں ہیں، مشہور روایت تو یہی اجماع صحابہ کی صحت اور حجیت کی ہے جس پر حنابلہ کا عمل درآمد ہے، دوسری روایت کے مطابق وہ اجماع کا وجود ہی نہیں تسلیم کرتے، (من ادعی الاجماع فھو کاذب) امام شوکانی کا رجحان بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اجماع (یعنی الاجماع العام فی کل عصر) کی حجیت ان کے نزدیک مسلم نہیں، اور جہاں جہاں انھوں نے حجیت اجماع پر اعتراض کئے ہیں، وہاں یہی (اجماع عام فی کل عصر) مراد ہے، باقی رہا اجماع صحابہ تو اس کو وہ منکر نہیں،

(البحث السابع) اجماع الصحابة حجة بلا خلاف ونقل القاضي عبد الوهاب عن قوم من المبتدعة ان اجماعهم ليس بحجة وقد ذهب الى اختصاص حجية الاجماع باجماع الصحابة داؤد الظاهري وهو ظاهر كلام ابن حبان في صحيحه وهذا هو المشهور عن الامام احمد بن حنبل .....

(ساتویں بحث) صحابہ کا اجماع بالاتفاق حجت ہے، قاضی عبدالوہاب نے مبتدعین کی ایک جماعت کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک اجماع صحابہ حجت نہیں، اور داؤد ظاہری اجماع کی حجیت کو اجماع صحابہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، اور ابن حبان نے صحیح میں جو کچھ لکھا ہے، بظاہر اس کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: "جب صحابہ

وقال ابو حنيفة اذا اجمعت الصحابة على شيء سلمنا واذا اجمع التابعون زاحمناهم (ارشاد الفحول ص ۷۴)

کا کسی مسئلے پر اجماع ہوگا، ہم اسے تسلیم کریں گے، اور تابعین کے اجماع میں ہم کلام کریں گے،

اس اقتباس سے امام شوکانی کا رجحان نمایاں ہے، پھر بھی ہمارے مولانا انھیں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں، اب تک تو حجیت اجماع پر ان کی رائے صاف نہیں تھی، لیکن آگے چل کر وہ انھیں خود بخود حجیت اجماع کا منکر قرار دے کر "شیعیت (زیدیت نہیں) کی تعریض سے بھی دریغ نہیں کرتے،:-

"حجیت اجماع پر مدار ہے صدیق اکبر کی خلافت کا، مصحف عثمان کے متبوع ہونے کا ہم جدید اصطلاح میں اجماع کے عوض جمعیۃ مرکزیہ کا فیصلہ استعمال کرتے ہیں، آج جس چیز کو جمعیۃ مرکزیہ کا فیصلہ کہا جاتا ہے، وہی اس زمانہ کا اجماع ہے، اس کی حجیت کے بغیر کبھی کوئی سیاسی تحریک دنیا میں کامیاب ہوہی نہیں سکتی لہذا شیعہ اس کو برداشت نہیں کرسکتے، مگر اہل سنت کا مدار ہی سراسر اسی پر ہے ......"

اہل انصاف غور کریں کہ "یہ شیعیت" کی تعریض کہاں تک حق بجانب ہے؟؟ رہا یہ کہ جمعیۃ مرکزیہ کا فیصلہ کہاں تک اجماع کا منشا پورا کرتا ہے؟ سردست ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے ہمارے مولانا نے نجدی اور یمنی تحریکوں کا بار بار نام لیا ہے، یمنی تحریک سے ان کی مراد غالباً امام شوکانی کا مخصوص مسلک ہے، جس کے متعلق مختصر طور پر عرض کیا جا چکا، ورنہ یمن کسی یمنی تحریک کا حال معلوم نہیں، جس سے حضرت سید شہید رحمہ کے ماننے والے متاثر ہوئے ہوں، اور اسے "تحریک"

لے پوری مفصل بحث کے لئے ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (ص ۶۷، ۸۶)؛ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۷ھ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے،

کہا جاسکے، اور سچ پوچھئے تو مولینا عبید اللہ کی زیر نظر کتاب سے پہلے اس مخصوص انداز مین نجدی تحریک کا نام بھی نہین سُنا گیا تھا،

البتہ نجدی تحریک مخصوص سیاسی حالات کی بنا پر بہت مشہور اور بدنام بھی ہے، بد قسمتی سے سید صاحبؒ کی دعوت تجدید و جہاد کی طرح یہ تحریک (اگر اسے تحریک کہنا صحیح ہو) بھی غیر تو غیر، اپنون مین بھی نہین سمجھی گئی، اور "خوش عقیدہ" لوگون مین اب تک موحدین نجد کے متعلق ایسے خیالات پائے جاتے ہین کہ پڑھ کر اور سن کر حیرت ہوتی ہے، افسوس کہ یہ موقع اس تحریک پر بحث و نظر کا نہین، اور راقم اس موضع پر تحقیق و تفصیل کیساتھ لکھ بھی چکا ہے، (ملاحظہ ہو:- سیرت محمد بن عبد الوہاب کا پہلا باب :- معارف : بابت مئی و جون ۱۹۴۱ء) اس لئے یہان مختصر سے مختصر لفظون مین اپنا مدعا پیش کرنے کی کوشش کرے گا،

نجدی تحریک، یا شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ (۱۱۱۵ھ - ۱۲۰۶ھ) کی دعوت توحید کا محور صرف وہ دو مقدس چیزین ہین، جنھین ہم کتاب و سنت کے نام سے یاد کرتے ہین، شیخ الاسلامؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) کے معاصر ہین، اور دونون بزرگون نے دو چار سال آگے پیچھے مسجد نبوی مین تعلیم حاصل کی ہے، دونون وقت کے ناگفتہ بہ حالات سے متاثر ہوئے، (ملاحظہ ہو:۔ الفرقان ولی اللہ نمبر طبع اول : ص ۴۰، ۳۹) اور ملتی جلتی راہ اختیار کی، یعنی دونون نے دین مبین کو بدعتون اور توہمات کی آلایشون سے پاک کرنے کی کوشش کی، کتاب و سنت کے چشمہ صافی کی طرف دعوت دینے مین بھی دونون شریک و سہیم ہین، تقلید جامد کے بندھنون کے توڑنے مین دونون ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین، اس لئے اس مین کوئی شک نہین کہ اصول مین ہندوستان اور نجد کی تحریکین ایک ہین، اور اسی یکسانی کی بنا پر انکو ور غیرون دونون کو غلط فہمیان ہوئین، اور سید صاحب کی تحریک تجدید و جہاد کا ڈانڈا نجد کی

دعوت توحید سے ملا دیا گیا، یہ تصنیف یہان تک بڑھی کہ حج کے موقع پر سید صاحبؒ کے نجدی داعیون سے ملنے اور متاثر ہونے کا افسانہ زبان زد ہوگیا[۵۱]، حالانکہ یہ سب مغربی مورخون کی اپج کے سوا اور کچھ نہین، نجد و ہند کی تجدیدی تحریکین اپنی اپنی جگہ بڑھین اور پھلی پھولین، ہندوستان کی دعوت توحید یعنی سید شہیدؒ اور مولینا شہید کی دعوت شیخ الاسلام کی دعوت سے بالکل متاثر نہین (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو:- الحرکۃ الوھابیۃ الھندیۃ السیاسیۃ) الضیاء جلد ۲ نمبر ۸، وہابیت = ایک دینی و سیاسی تحریک، الہلال پٹنہ، اپریل، مئی، جون ۱۹۳۷ء سیرت سید احمد شہیدؒ ص ۲۲۴-۲۴۳)

لیکن اس اصولی اتحاد اور ظاہری مماثلت کے باوجود دونون تحریکون مین کچھ اختلافات بھی ہین، اور یہ مقامی حالات اور مزاج کے تنوع کے لحاظ سے ہونا ناگزیر تھا، مولینا عبید اللہ سندھی نے

---

۵۱ حضرت سید شہید رح کی دعوت تجدید و جہاد کو نجد کی دعوت توحید کا شاخسانہ بتانے مین تقریباً تمام مغربی اہل قلم ہم زبان ہین، اور بہت سے مستشرقیون نے ان کے سُر مین سر ملانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس سلسلے مین جو دلچسپ حماقتین جناب مارگولیتھ سے ہوئی ہین وہ شاید کسی کے حصہ مین نہین آئین، (ملاحظہ ہو: مقالہ وہابیت = انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : ۴، ص ۱۰۹۰-۱۰۸۶) یہ پورا مضمون جہالت اور تنگ نظری کا مرقع ہے، وقت اور موقع تو نہین کہ اس مقالے کی دلچسپیان بیان کی جائین، مگر ایک لطیفہ نقل کئے بغیر نہین رہا جاتا، "سید احمد کے بھتیجے یا بھانجے (Nephew) محمد اسماعیل کی ایک کتاب الصراط المستقیم ہندوستان کے وہابیون کا قرآن بتائی جاتی ہے"۔

(A work by Mohammad Ismail, nephew of Saiyid Ahmad at-Sirat al-Mustakim, is said To be The Kuran of the Wahabis of India (صفحہ ۱۰۹)

مولانا شہیدؒ سید صاحبؒ کے بھتیجے! صراط مستقیم وہابیون کا قرآن!! کیا کہنے ہین اس تحقیق اور ریسرچ کے کوئی نئی بات نہین پیدا کی، تو پھر ریسرچ کیا!!

انہی اختلافات پر بہت زور دیا ہے، اور حق یہ ہے، کہ اس سلسلے مین انھون نے بڑی پتے کی باتین کہی ہین، اس گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب ہوگا کہ مولانا کا ارشاد پورا نقل کردیا جائے:

"البتہ عرب کی نجدی تحریک سے حزب ولی اللہ بعض امور مین اشتراک رکھتا ہے، اس لئے ظاہر بین دونون کو یکسان مان سکتے ہین، عرب مین شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) کے اتباع مین سے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ[1] توحید کی دعوت دینے کے لئے اٹھتے ہین، حزب ولی اللہ مین بھی توحید کی دعوت اسی طرح موجود ہے، اور

---

[1] یہان پر اصل کتاب کے حاشیے مین جناب شارح مولوی نور الحق صاحب علوی نے نواب صدیق حسن خان صاحب (ف ۱۳۰۷ھ) کی کتاب ابجد العلوم سے شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب کا کچھ حال نقل کیا ہے، جس مین ہجو و مذمت کے سوا کچھ نہین، نواب صاحب (اللہ انھین معاف کرے اور اعلیٰ علیین مین جگہ دے) کا حال اس باب مین قابلِ رحم ہے، اہل نجد کے متعلق ان کے بیانات مین اتنا تعارض ہے کہ انسان انگشت بدندان رہجاتا ہے؛ ابجد العلوم، التاج المکلل، موائد العوائد میں طرح طرح کی بے اصل باتین لکھ دی ہین، وہ اپنی زندگی کی الجھنون کے باعث اپنے کو نجد، صادق پور، بلکہ ہر وہابی کہلانے والی جماعت سے الگ دکھانا چاہتے تھے، ترجمان وہابیہ ان کے خیالاتِ پریشان کا آئینہ ہے، لیکن جناب شارح کی خدمت مین ہمین ایک بات عرض کرنا تھی کہ جہان آپ نے ابجد العلوم سے نواب صاحب کی رائے نقل کی تھی، (جس مین اُن ابن عابدین شامی کی خرافات بھی ہین جنھین یہ بھی نہین معلوم کہ ان کا مجرم عبدالوہاب نام رکھتا ہے، یا محمد بن عبدالوہاب) وہین نواب صاحب کا یہ قول بھی نقل کر دیا ہوتا جس مین انھون نے شامی کا قول نقل کرکے اسکی تردید بھی کی ہے:-

"وازین جا ضعف تقریر ابن عابدین ظاہر شد درین کہ وے غیر خود را مشرک می دانست و اسلام را منحصر در طائفۂ خود می پنداشت، این نیز معلوم شد کہ عقیدۂ او ہمہ موافق اہل سنت و جماعت است، ہرچہ نسبت او میگویند مختلق و موضوع است، وے بدان راضی نیست، این افترا، و کذب ہم در حیات وے بر وے کردند و وے ازان تبرا کرد و بر آن انکار نمود" الخ (اتحاف النبلاء ص ۴۱۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا احترام بھی دونون تحریکون مین مسلم ہے،

امام ولی اللہ نے شیخ ابراہیم کردی مدنی کے کتب خانہ مین شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے کافی استفادہ کیا ہے، ازالۃ الخفا مین بعض اساسی مسائل ایسے ہین جو یقیناً منہاج السنۃ سے لئے گئے ہین، امام ولی اللہ، شیخ ابراہیم کی اتباع مین شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شیخ اکبر محی الدین بن عربی کی یکسان عزت اور عظمت مانتے ہین،.......

ایسا ہی مولانا محمد اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان (مین) جو حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے، شیخ محمد عبدالوہاب (محمد بن عبدالوہاب) کی کتاب التوحید کی طرح بعض مقامات پر ایک ہی سی بات لکھی ہے:

ہندوستان مین جس قدر اہلِ علم حزب ولی اللہ کے مخالف ہین، وہ ان اشتراکی مواقع کی بنا پر دونون تحریکون کو ایک بنانے کے لئے کافی سے زیادہ کوشش کر چکے ہین،

ایسا ہی مولانا شہید کی تقویۃ الایمان کا التوسل فی الدعا کو جائز قرار دینا، اور شرک اصغر کے مرتکب کو کافر نہ مانتے ہوے غیر مغفور قرار دینا دو اساسی مسئلے ہین، جو کتاب التوحید کے مناقض ہین، شیخ محمد بن عبدالوہاب کے اتباع ایسے لوگون کو کبھی معاف نہین کرتے، جو مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے ان دونون مسئلون مین تابع ہون، ایسی حالت مین دونون تحریکون کا ایک سمجھنا سرسری سمجھ کا مغالطہ ہے، (ص ۱۲۶ - ۱۲۹)

جیسا کہ راقم پہلے عرض کر چکا ہے، مولینا سندھی کا یہ فرمانا صحیح ہے، کہ نجد و ہند کی تحریکین ایک نہین، لیکن چند فروعی اختلافات کی بنا پر ہم دونون کو ایک دوسرے کا مناقض بھی نہین سمجھتے، جب توحید کی دعوت دونون تحریکون مین موجود ہے، اور کتاب و سنت کی پیروی پر دونون کا اصرار ہے، تو پھر فروعی اختلافات کو اتنی اہمیت کیون دیجائے؟ ہمارے نزدیک امام محمد اسماعیل

الامیر صنعانی (۱۰۹۹ھ تا ۱۱۸۲ھ) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) اور شیخ محمد ابن عبد الوہاب نجدی (۱۱۱۵ھ تا ۱۲۰۶ھ) تینون بارہوین صدی ہجری مین اسوۂ محمدی کے سچے نمونے تھے، اور اس وقت کی تیرہ وتاریک فضا مین شمعِ ہدایت کی حیثیت رکھتے تھے، آپ چاہین، تو انھین مجدد بھی کہہ سکتے ہین، کہ ان مین سے ہر ایک نے اپنے اپنے ماحول مین دین کی تجدید کی، سنت محمدی کے صاف اور شفاف چشمے کو شرکت وبدعت کی آلایشون سے پاک کیا، اور انہی نفوس قدسیہ کے دم قدم کا نتیجہ ہے کہ آج ہم کتاب وسنت کا نام لینے مین کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اور اس پر عمل کرنا اپنا شعار بتاتے ہین،

انہی بزرگون کی صف مین ان کے خوشہ چین قاضی محمد بن علی شوکانی (۱۱۷۳ھ تا ۱۲۵۰ھ) حضرت سید احمد بریلوی (۱۲۰۱ھ تا ۱۲۴۶ھ) اور مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی (۱۱۹۳ھ تا ۱۲۴۶ھ) بھی شمار کئے جا سکتے ہین، ان تمام مصلحین امت کی جد وجہد کا مرکز ایک تھا، سب کے سب شمعِ رسالت کے پروانے تھے، اور کتاب وسنت کے شیدائی، یہ اور بات ہے، کہ کہین امام ابن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ) کا رنگ غالب تھا، کہین ہندوستانی تصوف کے اثرات باقی رہ گئے تھے، اور کہین طریقۂ محمدیہ کی تلقین ہو رہی تھی، کسی پر شوقِ شہادت کا غلبہ تھا، کوئی تقلید جامد کے حق مین شمشیر بران کی حیثیت رکھتا تھا، اور کسی کی معتدل مزاجی فقہ سے لیکر تصوف تک تطبیق کو پسند کرتی تھی، یہ رجحانات کا فرق ہے، اصولی اختلاف نہین، اور مزاج ومشرب کے اتنے معمولی فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا مناقض نہین کہا جا سکتا، اور ایک تحریک (یا دعوت) کے عقیدت مند کیلئے دوسرے کے ساتھ وابستگی حرام نہین قرار دی جا سکتی، ایک ولی اللہی شوکانیؒ اور ان کے شاگردون سے استفادہ کر سکتا ہے، اور نجدی ولی اللہیون کے سامنے زانوے تلمذ تہ کر سکتا ہے، اور یمنی لیلاے علم کی تلاش مین بادیۂ نجد کی ٹھوکرین کھانا گوارا[1] کر سکتا ہے، اور علم وعمل کے اس

"لین دین" مین فائدے کے سوا نقصان کا کوئی پہلو نظر نہین آتا، ہماری سمجھ مین یہ بات نہین آتی کہ ایک ہندی نژاد کے لئے یمنی یا نجدی اہل علم کی شاگردی اس قدر ملعون و مذموم کیون قرار دیجا رہی ہے؟ کیا اسلام اسی تنگ نظری اور جغرافی حد بندی کی تعلیم دیتا ہے؟

رہ گئے چند اختلافی مسئلے تو سمجھ دار لوگون کے لئے ترجیح کی راہ کھلی ہوئی ہے، آخر کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان آسمانی کتابین تو ہین نہین، جن سے ادنیٰ اختلاف بھی معصیت شمار ہو، اور پھر یہ مختلف فیہ مسئلے ہین کتنے؟ مولینا عبید اللہ سندھی جیسے نکتہ رس عالم نے بڑی کوشش سے ایسے دو اساسی مسئلے نکالے ہین، جن مین کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کی رائین ایک دوسرے سے مختلف ہین، جن پر آیندہ نمبر مین گفتگو کی جائے گی،

(باقی)

(حاشیہ ص ۲۸۸) [1] یہ کوئی خیالی باتین نہین، پچھلے تذکرون مین اس "لین دین" کی بے شمار مثالین ملین گی، دو تین نظیرین سرسری طور پر عرض ہین، عبد الحق بنارسیؒ (ف ۱۲۸۶ھ) نے شوکانیؒ (ف ۱۲۵۰ھ) اور دوسرے علماے حجاز و یمن کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، محمد بن ناصر حجازی نجدی (ف ۱۲۸۳ھ) نے شوکانیؒ سے یمن مین اور شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ) سے حجاز مین تحصیل کی، اسی طرح شیخ محمد بن عبد الوہاب (ف ۱۲۰۶ھ) کے پر پوتے اسحاق بن عبد الرحمن بن حسن بن محمد نجدی حنبلی (ف ؟) نے سید نذیر حسین صاحب محدث سورج گڈھی (دہلوی، ف ۱۳۲۰ھ) اور مولینا محمد بشیر سہسوانی (ف ۱۳۲۶ھ) سے ہندوستان آکر استفادہ کیا.....الخ

ابن خلدون کے معاشرتی اور سیاسی خیالات

از

جناب محمد عبد القادر صاحب بی ایس سی آنرز (لندن) استاذ معاشیات، جامعہ عثمانیہ

"معارف کی دسمبر ۱۹۴۲ء کی اشاعت مین ابن خلدون کے معاشی خیالات کے متعلق بحث کی جاچکی ہے، مندرجۂ ذیل مضمون اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے"

اس مضمون مین یہ دیکھنے کی کوشش کیجائے گی کہ ایک معاشرتی اور سیاسی مفکر کی حیثیت سے ابن خلدون کی کیا حیثیت ہے، معاشرتی اور سیاسی تخیل کے یورپی مآخذ پر زور دینے کے ہم کچھ اس قدر عادی ہوگئے ہین، کہ بسا اوقات غیر یورپی مفکرین کی خدمات یا تو فراموش کردیجاتی ہین یا ان کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ نہین لگایا جاتا، درحقیقت جدید تخیل کی تاریخ اس وقت تک نامکمل رہے گی، جب تک کہ مغربی تخیل کے ساتھ ساتھ مشرقی تخیل کا بھی جائزہ نہ لیا جائے، یہان کوشش کی گئی ہے کہ ابن خلدون کے افکار کے بعض پہلوؤن پر تبصرہ اور بقدر ضرورت ان کا یورپی افکار سے مقابلہ بھی کیا جائے،

ابن خلدون کے خیالات کا صحیح اندازہ اس تاریخی پس منظر کی روشنی ہی مین ہوسکتا ہے، اس مفکر کا تعلق تاریخ اسلام کے ایک اہم دور یعنی آٹھوین صدی ہجری مطابق چودھوین صدی عیسوی سے رہا جب کہ عرب سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا اور سیاسی انقلابات کی وجہ سے ہسپانیہ کے جنوبی حصہ اور افریقہ مین کئی حکومتین قائم ہوگئی تھین، ان واقعات کا ابن خلدون پر

اثر ہونا لازمی تھا چنانچہ ان عبرتناک واقعات وحالات نے ابن خلدون کی قنوطیت اور تفکر پسندی مین اضافہ کردیا، سیاسی طرز عمل کے اعتبار سے یہ ایک محتاط اور عملی شخص بن گیا، اگرچہ اس کی ملازمت کا آغاز والئی ٹیونس کی معتمدی کی حیثیت سے ہوا، مگر ہمیشہ درباری سازشون کا شکار رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے وقتاً فوقتاً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا، اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کے حکمرانون کی ملازمت مین گذارا، اور اس طرح وہ میکیاولی کے مانند ایک سیاسی قسمت آزما بنا رہا، ابن خلدون نے اپنی زندگی کے آخری دور مین تہذیب و تمدن کے عروج وزوال کے اسباب کی تحقیق کرنی شروع کی، اور بالعموم اقوام عالم اور خاص طور سے عربون کی تاریخ کے مطالعہ کی مدد سے اس نے معاشرتی ارتقار کے بنیادی قوانین معلوم کرنے کی کوشش کی، اور اپنی اس مشہور و معروف تاریخ کو لکھا جس کا مقدمہ ہنوز ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، اس تاریخ مین عرب، شام، فارس، یونان، روما، ترکی، فرانس اور بربر کے حالات و واقعات درج ہین، لیکن اصل چیز مقدمہ ہے جس مین فلسفۂ تاریخ اور سماجی، معاشرتی و معاشی ارتقا کے قوانین نیز مختلف علوم و فنون کی نوعیت سے بحث کی گئی ہے،

ابن خلدون کے معاشرتی اور سیاسی خیالات کا گہرا تعلق اس کے فلسفۂ تاریخ سے ہے، بلکہ یون کہنا چاہئے کہ معاشرہ اور مملکت کے متعلق اس کے جو خیالات ہین، وہ اس کے فلسفۂ تاریخ پر مبنی ہین، تاریخ کے متعلق اس کا نظریہ دوسرون سے مختلف ہے، اس کے پیشرؤن نے تاریخ کو سیاسی واقعات اور فوجی فتوحات کا ایک مرقع قرار دے رکھا تھا، لیکن اس مفکر نے تاریخ کے دائرہ کو وسیع کیا، اور اس مین معاشرتی مظاہر اور ان کے جملہ پہلوؤن کو شامل کیا، تاریخ تمدن جو کہ تاریخ کا ایک جدید شعبہ سمجھا جاتا ہے، وہ بھی ابن خلدون کی تاریخ کا ایک اہم شعبہ ہے، سیاسی، دستوری، معاشی اور مذہبی تاریخ کے علاوہ اس نے اپنے زمانہ کے جملہ علوم و فنون کی تاریخ

کو بھی اپنے مضمون کے اہم شعبے قرار دیئے، تاریخ کے متعلق ایسا عالمگیر نقطۂ نظر نہ تو ہمین اس کو پیشرون
کے یہان ملتا ہی، اور نہ ایک عرصہ تک اس کے جانشینون کی تصانیف مین،

ابن خلدون کا مقصد یہ تھا کہ تاریخ کا رتبہ وہی ہو، جو سائنس کا ہوتا ہی، اسی مقصد کے تحت
اوس نے تاریخی تنقید کے چند اصول پیش کئے[1] تاریخ نویسی کے جو طریقے اس کے پیشرون نے
اختیار کر رکھے تھے، اس پر سخت نکتہ چینی کی، واقعات کو سنہ وار بیان کرنے کا جو طریقہ رائج تھا،
اس کے بجائے اوس نے مسعودی کے مضمون واری طریقہ کو فروغ دیا، تاریخی غلطیون سے بچنے
کے لئے اوس نے مورخین کے لئے چند ہدایتین دی ہین، مثلاً مورخ اپنے موضوع کی تحقیق مین
تعصب اور جانبداری کو نہ برتے، ماخذ کے مستند ہونے کا اطمینان کرلے، واقعات کی تعلیل پر
زور دے، تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھے، روایت کے علاوہ درایت کو نظر انداز نہ کرے، تمثیلی
استدلال یا محض مشابہت کی بنا پر نتائج اخذ کرنے مین جلد بازی سے کام نہ لے، اس مین کلام
نہین، کہ اسلامی مورخین نے محدثین کے بدولت اس قسم کے چند اصول حاصل کرلئے تھے، لیکن ابن
خلدون نے ان تمام اصولون کو زیادہ سائنٹفک بنا دیا، یہان یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا
کہ یہ مصنف خود اپنی مشہور تاریخ مین مذکورۂ بالا اصولون پر کما حقہ عمل پیرا نہ ہوسکا، با این ہمہ
یہ اصول آنے والی نسلون کے مورخین کے لئے شمع ہدایت بنے رہے،

ابن خلدون نے اپنے مباحث کے سلسلہ مین جو طریق تحقیق اختیار کیا، وہ استقرائی اور
تقابلی تھا، تجربات انسانی کے سرچشمہ سے اس نے معلومات اخذ کئے، تاریخ عرب اور تاریخ
عالم سے استفادہ کیا، اور اپنے بیانون کے ثبوت مین بیسیون مثالین پیش کین،

مصنف کا خیال ہے کہ مورخ کا کام محض واقعات نویسی نہین ہی، بلکہ ان واقعات کی

[1] مقدمۂ تاریخ ابن خلدون مترجمہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب حصہ اول ص ۸ - ۴۴،

توجیہ کرنا، معاشرتی مظاہر کی ماہیت معلوم کرنا اور معاشرتی ارتقاء کے سیاسی قوانین کا دریافت
کرنا ضروری ہے، ابن خلدون تاریخ کو نہ تو چند افراد کا کھیل تماشہ قرار دیتا ہے، اور نہ اس
سلسلہ مین کوئی الہیاتی نظریہ پیش کرتا ہے،

اس نے معاشرتی ترقی پر مادی ماحول کے اثرات تفصیل کے ساتھ واضح کئے، چنانچہ اس
نے یہ ظاہر کیا ہے کہ تاریخ انسانی کی تشکیل مین آب و ہوا غذا اور پیشون کا نمایان حصہ رہا ہے طبعی
اور ذہنی خصوصیات مین جو اختلافات پائے جاتے ہین، ان کی توجیہ آب و ہوا اور غذا کے اختلافات
سے ہوسکتی ہے،[1] مرفہ الحالی اور افلاس کا اثر نہ صرف طبعی خصوصیات، بلکہ ذہنی نشو و نما
اور مذہبی نقطۂ نظر پر بھی پڑتا ہے،[2] یہان فوراً ہمارا ذہن بوڈن، مانٹسکیو اور بکل کے نظریون کی
طرف جاتا ہی جنھون نے اسی قسم کے خیالات کو ظاہر کیا ہے، البتہ تاریخی شہادتون کی عدم موجودگی
مین ہم یقین کیساتھ یہ نہین بتلا سکتے، کہ مذکورۂ بالا مفکرین نے ابن خلدون سے کس قدر استفادہ
کیا ہی، لیکن ہمین اتنا تو تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ اولیت کا شرف ابن خلدون کو ہی حاصل ہی،

قومی خصوصیات کی توجیہ بھی پیشہ ورانہ اختلافات کے ذریعہ کیجا سکتی ہے، کسی ملک کے
ادارات کے خط و خال کا دار و مدار ایک بڑی حد تک اس ملک کے مروجہ پیشون پر ہوتا ہے، زرعی
معیشت اور بدوی معیشت کے تحت جداگانہ معاشرتی نظام ہوا کرتے ہین، اخلاقیات اور مذہب
پر پیشہ ورانہ اختلافات کا گہرا اثر پڑتا ہے، تاجر کی ذہنیت اور اوس کے اخلاقی تصورات نتیجہ
ہین اس کے پیشہ کا، بدوی جس کو ہر قدم پر حیات کی کشمکش اور زندگی کی سنگلاخ منزلون سے
گذرنا پڑتا ہے، آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے والے شہریون کے مقابلہ مین زیادہ مذہبی ہوتے

[1] مقدمہ حصہ اول ص ۱۱۵-۱۲۹،

[2] " " ص ۱۷۹-۱۸۰،

ہین[1]، اس قسم کے خیالات سے ہمارا ذہن فوراً کارل مارکس کی معاشی تعبیر تاریخ کی طرف جاتا ہی، لیکن ہمارا یہ مطلب نہین ہی کہ ابن خلدون کے خیالات مین مارکس کے سائنٹفک نظریہ کا سُراغ لگایا جاسکتا ہی، البتہ ہم اس پر ضرور زور دین گے کہ تاریخ کی معاشی تعبیر کے نظریہ کی تاریخ قلمبند کرتے وقت ابن خلدون کی اہمیت کو ہرگز نظرانداز نہین کیا جاسکتا،

ابن خلدون نے اپنے فلسفہ تاریخ کی مدد سے معاشرتی ارتقا، کا نظریہ پیش کیا ہی، اس نے بدویت کو معاشرتی ارتقار کی پہلی منزل قرار دیا ہے، بدویت کے تحت لوگون کی زندگی سادہ ہوتی ہے، یہ اپنے لئے غذا اور مویشی کے لئے چارہ کی تلاش مین خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہین، اسی طرزِ زندگی کی وجہ سے ان مین چند اعلیٰ خصوصیات پیدا ہو جاتے ہین، مثلاً جرأت مشقت استقلال، آزادیِ عمل وغیرہ[2]، نیز انھین اپنے قبیلہ کی عزت و ناموس کا بڑا خیال رہتا ہے، ان افراد کے لئے جو چیز ایک اتحادی قوت کا کام دیتی ہے، وہ عصبیت ہی، شروع مین تو اس کی بنیاد خونی رشتہ پر قائم ہوتی ہے، اور سب افراد اپنے سرگروہ کے وفادار رہتے ہین، لیکن بعد مین دوسرے عناصر اہمیت اختیار کر لیتے ہین، چنانچہ اسلام سے پہلے جو عصبیت کہ خونی رشتہ کی بنیادون پر قائم تھی، وہ مذہبی برادری اور اخوتِ اسلامی مین تبدیل ہو گئی[3]، قبیلون کی باہمی مخاصمت اور بغض و کینہ کی جگہ جذبۂ اتحاد نے لی، لیکن یہ ایک مختصر عرصہ کے لئے تھا، کیونکہ چند ہی سال کے اندر قبیلہ داری مناقشات پھر تازہ ہونے لگے،

دوسرا دور بدویون کے جنگی کارنامون اور فتوحات کا زمانہ ہوتا ہے[4]، جب کہ سیاسی معاشرہ کا آغاز ہوتا ہی، ابن خلدون نے عربون کے غلبہ کو ان کی مذہبی عصبیت پر محمول کیا ہی، لیکن ساتھ ہی

[1] ملاحظہ ہو میرا مضمون ابن خلدون کے معاشی خیالات" مطبوعہ معارف، دسمبر ۱۹۴۳ء [2] مقدمہ حصہ اول ص ۱۰۲، ۱۰۰ [3] مقدمہ حصہ دوم ص ۹-۱۰ [4] مقدمہ حصہ اول ص ۲۱۲-۲۱۴،

اسے اس کا بھی علم ہی کہ عربون کی نسلی عصبیت کو کامل طور پر قابو مین نہین لایا جاسکا،

تیسرا دور دراصل تہذیب و تمدن کا دور ہے[1]، اس زمانہ مین سلطنتین قائم ہوتی ہین شہر آباد کئے جاتے ہین، خوشحالی کا دور دورہ رہتا ہے، لیکن بہت ہی جلد لوگ عیش و آرام کے شکار ہو جاتے ہین اور اپنی پچھلی اعلیٰ خصوصیات سے دست بردار ہو کر محض فروعات پر ناز اور گھمنڈ کرنے لگتے ہین، عصبیت کی حیثیت ایک متحرک طاقت کی نہین رہتی، بلکہ یہ ایک بے روح جسد بن کے رہ جاتی ہی، ان حالات کے تحت قوم کی قوتِ مقابلہ مین بھی ضعف اور کمزوری کے آثار پیدا ہو جاتے ہین، اور بیرونی حملہ آورون کو اب کوئی طاقت نہین روک سکتی، بالآخر ایسی زوال پذیر قوم کو ایک قوی تر اور تازہ دم قوم کے لئے جگہ خالی کرنی پڑتی ہے، الغرض ابن خلدون کا خیال ہے، کہ انسانی تاریخ اسی قسم کے دائرۂ عروج و زوال کا نام ہے،

یہ سچ ہی کہ ابن خلدون نے مشرقی ممالک کی تاریخ کے مطالعہ سے اپنے نظریہ کو اخذ کیا ہی، معاشرتی ارتقار کے اس سہ دوری نظریہ کا اطلاق مغربی ممالک پر کلیۃً نہین ہوسکتا، لیکن اس کی اہمیت یہ ہی کہ اس نے اپنے اس نظریہ مین اخلاقی پہلوؤن پر زور دیا ہے، جس کی طرف اس سے پہلے کسی اور مفکر کی نظر نہ جاسکی، ابن خلدون کے تین صدی بعد اٹلی کے فلسفی وکو[2] نے کچھ اسی کے جیسا نظریہ پیش کیا تھا،

ابن خلدون کے سیاسی خیالات کے سلسلہ مین آغازِ مملکت کی جو تشریح کی گئی ہی، وہ بہت دلچسپ ہی، گو وہ سیاسی معاشرہ کو انسان کے معاشرتی محرکات پر مبنی سمجھتا ہی، لیکن وہ اس امر کے اعتراف کے ساتھ ساتھ مملکت کو محض ایک قدرتی واقعہ کی حیثیت دینے کے لئے تیار نہین، اس کا خیال ہی کہ یہ انسانی شعور کا نتیجہ ہے، انسانی کردار جبلی ہونے کے علاوہ شعوری بھی ہی، اس مین

[1] مقدمہ حصہ دوم، ص ۲۵-۲۹ [2] وکو سے متعلق تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو انسیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس"

سونچ بچار کی قوت اور قوت تمیز موجود ہے، ان ہی قوتوں کے ذریعہ یہ محسوس کرنے لگتا ہو، کہ معاشی مقصد کی تکمیل اور طاقتور کے مظالم سے حفاظت کی خاطر ایک اجتماعی قوت کے تحت آجانے سے بعید فوائد حاصل ہوتے ہیں، ابن خلدون کے یہ خیالات ہابس کے مماثل ہیں، دونوں میں صرف یہ فرق ہو کہ ابتدائی فطری حالت کے متعلق ہابس میں جو وضاحت ہے، وہ ابن خلدون کے یہاں نہیں پائی جاتی،

ابن خلدون نے سیاسی ارتقا کے مختلف مرحلوں کا ذکر کیا ہے، معاشرتی محرکات ہی کا نتیجہ ہو کہ خاندان کا آغاز ہوتا ہے، خاندان ترقی کرتے کرتے ایک برادری کی شکل اختیار کرتا ہو اور پھر کئی برادریاں ملکر ایک قبیلہ بنتا ہے، اور سیاسی اتحاد کی بنیاد اسی قبیلہ پر قائم ہوتی ہے، اور جماعتی احساس قبیلہ کے جملہ افراد کو متحد رکھتا ہو، مختلف قبیلوں کے درمیان غلبہ حاصل کرنے کے لئے جب جنگ ہوتی ہے، تو فاتح قبیلہ ایک امتیازی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اور یہیں سے ملوکیت کا آغاز ہوتا ہے،

اس سلسلہ میں ابن خلدون نے حکومت کی مختلف شکلوں پر بحث کی ہے، ملوکیت کی ضرورت کو واضح کرنے کے لئے اس نے تقریبًا وہی دلیلیں پیش کی ہیں، جو کہ اس نے مملکت کے جواز میں استعمال کی تھیں، افراد کو ایک دوسرے پر تشدد اور لوٹ مار کے جذبہ سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے، نیز ملوکیت کا راز اس میں بھی مضمر ہے، کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے لیے اعلیٰ ترین اقتدار حاصل کرے، لیکن وہ اس امر کو نظر انداز نہیں کرتا، کہ استبداد اور مطلق العنان حکومت سے افراد کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو چند قیود کا پابند بنایا جائے خواہ وہ قیود خداوندی ہوں یا انسانی، امیر شاہی حکومت کی ایک دوسری شکل ہو، اور اس کا آغاز بادشاہ کی مخالفت سے ہوتا ہو، اور عمومًا یہ چیز سیاسی انتشار اور پراگندگی کے زمانہ سے متعلق ہے،

مصنف کا خیال ہو کہ حکومت الٰہی یا دینی حکومت حکومت کی بہترین شکل ہو، اس کا استدلال یہ ہو کہ روحانی، معاشرتی فلاح وبہبود کا علم انسانی فہم سے باہر ہے، اور مکمل اور قابل نمونہ حکومت قائم کرنے کے لئے خدائی ہدایت اور رہنمائی از بس ضروری ہے، اس نے خلافت پر اسی نقطہ نظر سے بحث کی ہو[1]، خلافت کے سلسلہ میں اس نے امام غزالی اور الماوردی کے خیالات کی تقریبًا ترجمانی کی ہو، وہ اس خیال کی تردید کرتا ہے، کہ خلیفہ کا کام محض معاشرتی ابتری کی روک تھام پر ختم ہو جاتا ہو، خلیفہ کا اصل کام تو یہ ہے، کہ وہ شریعت کو نافذ کرے، اور اس قسم کا کام وہی کر سکتا ہو، جس میں خود چند اوصاف و شرائط پائے جاتے ہوں، مثلاً وہ ایک ایسا شخص ہونا چاہئے جو شرع کا عالم ہو، جسے احساس عدل ہو، جو ذہنی اور جسمانی اعتبار سے تندرست ہو خود آزاد ہو، ابن خلدون کا خیال ہو کہ اگر خلیفہ اپنے مفروضہ فرائض کی تکمیل سے قاصر ہو تو امت کو یہ حق حاصل ہو کہ اسے معزول کر دے[2]، نیز اس کا خیال ہو کہ امت کی رضامندی سے خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد کر سکتا ہے،

ابن خلدون کے سیاسی خیالات کا سب سے زیادہ اہم حصہ وہ ہو جس میں اوس نے سلطنتوں کے عروج و زوال سے بحث کی ہے[3]، اور اسی سلسلہ میں ایک عضوی نظریہ پیش کیا ہو، یعنی اسکا خیال ہے کہ افراد کے مماثل سلطنتیں بھی آغاز، ترقی، پختگی اور زوال کے ادوار سے گذرتی ہیں، سلطنتوں کی بنیاد جماعتی احساس پر مبنی ہو، احساس وحدت کے زیر اثر اقوام مختلف علاقے فتح کرنے لگتی ہیں، لیکن سلطنتوں کو غیر محدود طور پر وسیع نہیں کیا جاسکتا[4]، افواج کی تعداد کا لحاظ رکھنا

[1] مقدمہ حصہ دوم ص ۱۰۱، ۱۱۵ [2] تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو میرا مضمون - Muslim Political Theory of Rebellion مطبوعہ Indian Journal of Political Science. جلد ۱ نمبر ۱ [3] مقدمہ حصہ دوم ص ۲۳-۴۰ [4] ایضًا ص ۱۵-۱۶،

ضروری ہے، نیز سلطنتوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے جتنی دور ہونگی، اسی قدر مفتوحہ علاقوں کو قابو میں رکھنے میں دشواریاں ہوں گی،

سلطنت کی تاریخ کے دوسرے دور کی نمایاں خصوصیت یہ ہے، کہ جہاں استبدادی حکومت کا آغاز ہوتا ہے، شروع میں تو فرمانروا اپنے اقتدار میں دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے، اس کے مصارف معمولی ہوتے ہیں، محاصل بھی ہلکے ہوتے ہیں، لیکن رفتہ رفتہ اس کے طور طریقوں میں تبدیلی ہونے لگتی ہے، چند افراد فرمانروا کے منظور نظر بن جاتے ہیں، اور حکمران اپنے سابق پیروؤں کی طاقت توڑنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، اور ایک خودسر فرمانروا کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اور ایک سلسلۂ موروثی سلاطین کی بنا بھی ڈالتا ہے،

اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے، جب کہ سلطنتوں کا انحطاط شروع ہوتا ہے، فرمانروا اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کو مقدم قرار دیتا ہے، شاہی اسراف کی وجہ سے نظم و نسق میں خرابی پیدا ہونے لگتی ہے، اس کے مصارف جب بڑھ جاتے ہیں، تو محاصل میں اضافہ کیا جاتا ہے، رعایا کی آزادی، جان و مال معرض خطر میں رہتے ہیں، فرمانروا کے رشتہ دار، پیرو اور اسکی فوج میں جذبۂ وفاداری باقی نہیں رہتا، صوبوں میں مفتوحہ اقوام بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہیں، بد دل افراد سلطنت سے علٰحدہ ہو کر دور دراز علاقوں میں جا بستے ہیں، جب مرکزی حکومت ٹوٹنے کے قریب ہوتی ہے، تو وہ اس پر حملہ کر بیٹھتے ہیں، ان ہنگاموں کا معاشی کاروبار پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے، مالی نظام کے درہم برہم ہونے کے ساتھ ساتھ قحط اور بیماریوں کا دور دورہ ہوتا ہے،

ابن خلدون اپنے سارے مباحث میں اس چیز پر زور دیتا ہے، کہ سلطنتوں کا زوال چند اندرونی اسباب کے تابع ہے، سلطنتوں کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ ان کا زوال

اسی طرح ناگزیر ہے، جس طرح کہ بڑھاپا، جب انکا دور انحطاط شروع ہوتا ہے تو انھیں کوئی طاقت اس سے نہیں روک سکتی، ان مباحث کے پیش کرتے وقت مصنف کے جبری عقائد نمایاں رہتے ہیں، سلطنت کی ارتقائی منزلوں کی تفصیل کے ساتھ ساتھ اس نے سلطنت کی عمر کے متعلق بھی اظہار خیال کیا ہے[1] پہلی نسل سلطنت کی بنا ڈالتی ہے، دوسری نسل اسے بحال رکھتی ہے، تیسری نسل اس کے خاتمہ کا باعث بنتی ہے، بدوی زندگی کے تحت اصلی خصوصیات قائم رہتے ہیں لیکن تعیش اور آرام کی زندگی کا نتیجہ اخلاقی پستی، اور تباہی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، ان تینوں ادوار کے لئے ابن خلدون نے ۱۲۰ سال کا اوسط رکھا ہے،

یہاں تک تو ہم نے مختلف موضوعات پر ابن خلدون نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں، انھیں پیش کیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خیالات کی عصری اہمیت کیا ہے، یہ بالکل واقعہ ہے کہ جب ہم ابن خلدون کے مقدمہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے سیاسی اور معاشرتی نظریہ پر ایک جدید تصنیف ہونے کا شبہہ ہوتا ہے، مصنف نے بہت سارے ایسے مسائل پیش کئے ہیں جو کہ آج کل بہترین دل و دماغ کیلئے غور و تامل کا باعث بنے ہیں، ایک ایسے زمانہ میں جبکہ عقلی اور غیر عقلی عناصر کے مابین جنگ جاری ہے، ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں اس مسئلہ کے سمجھنے میں خاص مدد ملتی ہے، اس نے تاریخ کا ایک ہمہ گیر نظریہ جو پیش کیا ہے، اسکی بدولت ہم تہذیب و تمدن کو ایک مشترک جد و جہد سمجھنے لگتے ہیں، اس نے ماحول کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں انکے مطالعہ سے ہماری توجہ حقیقت اضافی کی طرف مبذول ہو جاتی ہے، عصبیت کے متعلق اس کے خیالات بڑے ہی قیمتی ہیں، کیونکہ آجکل یہ تصور سیاسی اور معاشی اتحاد کیلئے ایک ضروری عنصر قرار دیا جاتا ہے، اور اس کے جدید مرادفات قومی یا نسلی یا تصوری عقائد سمجھے جاتے ہیں، غرض آجکل جب کہ سلطنت کے تصور میں انقلابی تبدیلیاں ہو رہی ہیں، ابن خلدون کا سلطنت پر یہ تبصرہ ایک درس عبرت کی حیثیت رکھتا ہے،

---

[1] مقدمہ حصہ دوم ص ۲۹-۳۲،

تلخیص و تبصرہ

جزائرِ شرق الہند میں اسلام

جزائرِ شرق الہند یعنی جاوا سماترا وغیرہ کے دور دراز خطے اگرچہ کبھی اسلامی اقتدار کے تحت میں نہیں آئے، لیکن یہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے، اور متعدد اسلامی حکومتیں قائم ہیں، ان جزائر میں تبلیغِ اسلام کا آغاز بارہویں صدی عیسوی میں عرب تاجروں کے ذریعہ سے ہوا، تجارت کے سلسلہ میں یہاں صدیوں سے عرب تجار کی آمد و رفت تھی، اور ساحلی علاقوں میں اُن کی مستقل آبادیاں قائم ہوگئی تھیں، عربوں کی یہ خصوصیت ہے کہ اُنھوں نے ہمیشہ تبلیغی مقصد کو پیشِ نظر رکھا، اور جس سرزمین پر پہنچے وہاں اسلام کو پھیلا دیا، اس لئے جاوا اور سماترا وغیرہ میں بھی اُنھوں نے تبلیغ کے فرض کو فراموش نہیں کیا، اور سارے علاقوں میں مبلغ پھیلا دئے انکی کوششوں سے یہاں اتنا اسلام پھیل گیا کہ ایک صدی کے اندر اندر اسلامی ریاستیں قائم ہوگئیں،

جاوا میں نو اولیاء اللہ کے مزارات مشہور اور مقدس مانے جاتے ہیں، جو آج بھی زیارتگاہِ خلائق ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بزرگ عرب تاجر تھے اور سلاطینِ جاوا کو اُن سے اتنی عقیدت تھی کہ اُنھوں نے اپنی لڑکیاں اُن کے ساتھ بیاہ دیں اور اُن سے جو نسل پیدا ہوئی اُس نے رفتہ رفتہ جزائرِ شرق الہند میں اتنا اثر و اقتدار پیدا کر لیا کہ یہاں اُن کی مستقل حکومتیں قائم ہوگئیں،

لیکن پروفیسر اسنوک ہرگرونج[1] (Snouck Hurgronje) کا خیال اس سے مختلف ہے، اُنھوں نے دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ جاوا میں اسلام کے سب سے پہلے مبلغ ہندوستان کے عربی النسل صوفی مشرب مسلمان تھے، اُنھوں نے سنہ ۱۴۰۰ء اور سنہ ۱۵۰۰ء کے درمیان یہاں تصوف آمیز اسلام کی اشاعت کی اور ہندوستان میں جو صوفیانہ طریقے مٹ چکے تھے، ان کو جاوا میں دوبارہ زندہ کیا، ان کے ذریعہ سے یہاں طریقۂ شطاریہ کی بڑی اشاعت ہوئی، اور دو صدیوں سے زیادہ تک اس کا اثر قائم رہا، پھر اٹھارہویں صدی کے آخر میں حضرمی عربوں اور قادری اور نقشبندی طریقوں کے داخلہ سے جو شطاریہ کے مقابلہ میں اسلام کی خالص اور بے آمیز تعلیمات سے زیادہ قریب ہیں، شطاری طریقہ کا اثر کم ہونے لگا، اور چند دنوں میں وہ صوفیانہ رنگ جو شطاری طریقہ کی اشاعت سے جاویوں اور اُن کے اسلام پر چڑھ گیا تھا ختم ہوگیا اور اس کے بجائے خالص عربی اور اسلامی رنگ کا ظہور ہوا اور قادری اور نقشبندی طریقوں نے شطاری طریقہ کا زور توڑ دیا،

اس تغیر کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اٹھارہویں صدی میں جہازرانی کی ترقی اور جزائر شرق الہند میں جہازراں کمپنی کے قیام سے جب ان جزائر اور عرب و ہندوستان کے درمیان بحری سفر کی سہولتیں زیادہ فراہم ہوگئیں تو ایک طرف عرب ان جزائر میں آنے لگے، خصوصاً وہ حضرمی عرب جو مدتوں سے ہندوستان میں مقیم ہوگئے تھے بکثرت جاوا اور سماترا پہنچ گئے، دوسری طرف خود یہاں کے مسلمان بڑی تعداد میں فریضۂ حج کی ادائگی اور حصولِ تعلیم کے لئے مکہ جانے لگے، یہ لوگ کئی کئی برس تک مکہ میں قیام کر کے تعلیم حاصل کرتے تھے، جب یہ صحیح تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن لوٹتے

---

[1] معارف:۔ پروفیسر ہرگرونج، ہالینڈ کے بڑے نامور مستشرق تھے، مشرقیات میں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۰) ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، لیڈن یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے صدر تھے اور حکومت ہالینڈ کی جانب سے وہ ایک عرصہ تک جاوا میں مسلمانوں کے امور کے متعلق مشیرِ حکومت رہے، اسلامیات اور جاوا میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق برسوں تلاش و تحقیق کی، اس لئے اس بارہ میں انکا بیان سند کی حیثیت رکھتا ہے، سنہ ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا،

تو اُنھوں نے یہاں بھی اس کی اشاعت کی کوشش کی اور صحیح اسلامی تعلیمات کو پھیلایا، پرانے جاوی مسلمانوں نے اس اصلاح کی سخت مخالفت کی اور اس سلسلہ میں اٹھارہویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے شروع میں بڑے فسادات ہوئے لیکن آخر میں مصلح علماء کو کامیابی ہوئی، اور ان کے اثر سے غیر اسلامی عقائد و خیالات کا خاتمہ ہوگیا،

دوسرا اصلاحی دور سید جمال الدین اور مفتی محمد عبدہٗ کے عہد سے شروع ہوا، اُن کی اصلاحی تحریکات کا بھی جزائر پر بڑا اثر پڑا، اور اس مرتبہ بھی قدیم اور جدید کے درمیان تصادم ہوا اور بڑے بڑے مناقشات پیش آئے،

اس کے بعد قادیانی اور لاہوری مبلغین پہنچے، اس سلسلہ میں بھی اختلافات پیش آئے، تعلیم یافتہ مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے قادیانیوں کے مقابلہ میں احمدیوں کا طریقہ زیادہ نرم اور شیریں ہے، اس لئے ان کی کامیابی کا امکان تھا، لیکن ۱۹۳۱ء کے مباحثہ میں جب یہ ظاہر ہوا کہ احمدیوں کے بعض عقائد و خیالات خصوصاً کلام اللہ کی تفسیر اور معجزات میں اُن کی تاویلیں مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے عقائد کے لئے نہایت مضر ہیں تو اُن کا اثر بھی جاتا رہا،

ادھر چند برسوں میں جزائر کے بہت سے طلبہ حصولِ تعلیم کے لئے بغداد جانے لگے ہیں، اُن کی تعلیم کی طرف عراق کی حکومت کی خاص توجہ ہے، اور اس نے ان کی لئے مختلف قسم کی سہولتیں فراہم کی ہیں، امید ہے کہ اس تعلیم سے جزائر میں ایک نئے دور کا آغاز ہوگا، اسلام اور مسلمانوں کی رواداری آزادیِ فکر اور غیر ضروری اُمور سے اُن کی بے تعلقی کی وجہ سے حکومت ہالینڈ نے بھی جزائرِ شرق الہند میں امن و سکون کے قیام اور یہاں اسلام کے فروغ اور سربلندی کے لئے ایک خاص سیاست اختیار کی ہے،

ان جزائر میں صدیوں سے اسلام اور یہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے، اس لئے

یہاں بکثرت علماء و فضلاء پیدا ہوئے، بہت سے دینی مدارس اور دوسرے اسلامی آثار تھے، جنھیں وحشی جاپانیوں نے برباد کر دیا، اور اب وہ یہاں کے عربوں اور مسلمانوں کے جذبۂ آزادی کو زور و قوت سے دبا کر اسلامی روح کو مٹانا چاہتے ہیں، لیکن یہ صورتِ حال زیادہ دنوں تک قائم رہنے والی نہیں ہے یہاں کے مسلمان اپنے کو اس غلامی سے آزاد کرا کے رہیں گے،

قفقاز کی دولت

سرزمین قفقاز سیاہ سیال سونے یعنی پٹرول کا دنیا میں سب سے بڑا مخزن ہے، ایک مدت تک یہ قیمتی خزانہ یوں ہی بیکار پڑا رہا، سب سے اوّل انیسویں صدی کے آغاز میں الکزنڈر اوّل نے حکومت کے نام جزیرہ نما ابجرون کے معدنی کنوؤں سے حقِ انتفاع کا حکم صادر کیا، جو ایک مدت تک محض کاغذات کے صفحوں میں رہا، اور چند اشخاص اور افرادِ حکومت کے سوا کسی نے اس خزانہ کو زمین سے نکالنے کی کوشش نہیں کی، اور برسوں یہ خزانہ بے کار پڑا رہا، سب سے اوّل ۱۸۷۲ء میں باکو میں پٹرول کا کنواں کھودا گیا، اس وقت لوگوں نے اس سیاہ سیال کے انتفاع کی جانب توجہ کی اور قفقاز کے مالکوں کو اپنی دولت کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوا، اسی سنہ میں حکومت نے پٹرول سے فائدہ اٹھانے کے لئے قانونی پابندیاں ہٹا کر اسکو عام کر دیا، اس آزادی کے بعد روسی اور غیر روسی افراد اور جماعتیں اس طرف ٹوٹ پڑیں، اور اس دور و دراز خطہ پر جو مدتوں سے بے کار پڑا ہوا تھا، دولت بہائی جانے لگی اور اور دنیا کے پٹرول کے بڑے بڑے تاجر قفقاز پہنچ گئے،

۱۸۸۰ء میں عمانوئیل نوبل نے ادھر توجہ کی، اور باکو میں پٹرول کے چشموں کی بہت سی زمینیں حاصل کیں، یہ ماہر انجینیر بھی تھا، اس لئے اس نے پٹرول نکالنے کے نئے فنی طریقوں

سے کام لیا، اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کے لئے جدید طرز کے وسیع انتظامات کئے، ۱۸۸۰ء میں اس کے لڑکے لاڈ فیک نوبل نے پٹرول کو بحرِ قزوین کے راستہ سے لیجانے کے لئے سب سے پہلی مرتبہ ٹنکی دار اسٹیمر بنوائے،

۱۹۰۱ء میں یعنی پٹرول کا پہلا کنواں کھدنے کے تیس سال بعد باکو سے دس ملین ٹن سالانہ پٹرول نکلنے لگا، اور ساری دنیا میں روس کا نمبر اول ہوگیا، لیکن پھر ۱۹۰۵ء میں اس کے حصہ داروں میں اختلاف کی وجہ سے گھٹ کر دوسرا نمبر ہوگیا،

گذشتہ جنگِ عظیم کے زمانہ میں قفقاز کے چشمے چار کمپنیوں "اسٹینڈرڈ آئل کمپنی"، "رویال ڈنش" "نوبل برادرس"، روٹشلڈ اور بعض روسی مالکوں کے قبضہ میں تھے، ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہوگیا، چشموں کے مالک بالشویک حکومت کی سخت گیری کے خوف سے روس سے بھاگ گئے اور روس میں پٹرول کا کاروبار بالکل بند ہوگیا،

اس زمانہ میں موجودہ ڈنش رویال کمپنی کے پاس قفقاز میں پٹرول کے محض چند چشمے تھے، اس لئے پٹرول کے ملک التجار سر ہنری ڈیٹرانگ نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر قفقاز کے پٹرول کے تمام چشموں پر قبضہ کر لینا چاہا، چنانچہ خاندان روٹشلڈ کے تمام چشمے خرید لئے، انگریزی کمپنیوں اسپیک کمپنی، ڈباکورشن کمپنی نے جن کی اب کوئی قیمت نہ رہ گئی تھی، اپنے نام اس کے ہاتھ بیچدئے، اسی طریقہ سے بڑے بڑے روسی مالکوں نے جو روس سے پیرس بھاگ گئے تھے اور اپنی مالکوب کی املاک سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، ڈیٹرانگ جیسا خریدار پاکر اپنی املاک کی دستاویزیں اس کے ہاتھ فروخت کر دیں، غرض تمام بڑے بڑے حصہ داروں کے چشموں پر قبضہ کرنے کے بعد ڈیٹرانگ نے ۱۵ ملین روبل کے سرمایہ سے انگلو قازین کمپنی کھولی اور روس کی حکومت سے اپنے خرید کردہ چشموں پر قبضہ کی مسلسل کوشش کرتا رہا،

۱۹۱۷ء میں انگریزی جنگی وفد باکو آیا اور بالشویک کے خلاف جارجیا، آرمینیہ اور آذربیجان میں تین جمہوریتیں قائم کر دیں، اس لئے ڈیٹرانگ کو سویٹ کے ساتھ جنگ کرنا پڑی، اور اُسے کامیابی بھی ہوئی، لیکن چند دنوں کے بعد روسی حکومت نے قفقاز پر قبضہ کر لیا اور ڈیٹرانگ کو اپنی تمام خرید کردہ املاک سے محروم ہونا پڑا، لیکن روسی پٹرول کے معطل شدہ کارخانوں کی از سر نو تنظیم کرنے اور دوبارہ ان کو چلانے کے لئے پوری طرح تیار نہ تھے، اسلئے انھوں نے امریکہ کی طرف رجوع کیا، اور راک فیلر کی اسٹینڈرڈ آئل کمپنی سے اس شرط پر معاملہ طے ہوا کہ منافع کی تقسیم بھی اس کے اختیار میں رہیگی، لیکن روسی حکومت نے کارخانوں کی تنظیم کی حد تک تو منظور کر لیا، لیکن منافع کی تقسیم کا اختیار تنہا کمپنی مذکور کو دینے کے لئے تیار نہ ہوئی،

اس دوران میں ڈیٹرانگ جس کی املاک پر روسی حکومت نے قبضہ کر لیا تھا، برابر ماسکو کی حکومت سے اپنے لئے تقسیمِ منافع کا حق حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا، ان دونوں کی کشمکش سے روس کو امریکہ سے اپنے شرائط کے منوانے کا موقع مل گیا، اور دونوں کے درمیان معاملہ طے ہوگیا، اس کے مطابق امریکنوں نے گرزونی اور ترکی سرحد کے درمیان ایک ریلوے لائن قائم کی، مرفا اور باکو کے پٹرول کے لئے دو سو بڑی ٹنکیاں بنوائیں اور ڈیٹرانگ کو تقسیمِ منافع کا حق ملا، لیکن اس کے باوجود پٹرول کی پیداوار میں روس کا نمبر ابتک دوسرا ہے، اگر وہ اپنی موجودہ کوششوں کو جاری رکھے تو کہیں [illegible] میں جا کر وہ دنیا میں اپنا پہلا امتیازی درجہ حاصل کر سکیگا،

موجودہ جنگ سے پہلے روس کے پاس پٹرول کے ۴۳۰۰ پائپ تھے، ان سب میں بڑی وہ لائن تھی جو کوہستان قفقاز کو عبور کرکے تفلیس ہوتے ہوئے باکو سے باطوم تک گئی ہے، اس کے بعد وہ جو باکو کو روستاف سے ملاتی ہے، تیسری وہ جو غوریف سے اورسک تک پھیلی ہے، ۱۳۱۱ پٹرول صاف کرنے کی مشینیں ہیں جو فورکی اوقا، اورسک، کوسٹوفوڈسک.

اسٹراٹوپ، فورسک، طاشقند، سمرقند، باطوم، باکو، ماگروب اور اسٹالین گراڈ میں نصب ہیں،

پٹرول کی وجہ سے باکو کا چھوٹا شہر اب ایک بڑا صنعتی شہر بن گیا ہے، جس میں ساڑھے

چار لاکھ انسان آباد ہیں، اور سٹالین کی جنم بھومی تفلیس ایسے خطہ کا پایہ تخت ہے جس پر

ساری دنیا کے حریفوں کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں، اور جرمنی تو مدتوں سے قفقاز پر قبضہ کا خواب

دیکھ رہا تھا، اور ہٹلر اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری قوت اور کوشش صرف کر رہا ہے

جس کا فیصلہ مستقبل کے ہاتھ میں ہے،

شمالی افریقہ

شمالی افریقہ جو آج کل اتحادیوں اور محوریوں کا میدانِ جنگ بنا ہوا ہے، بہت قدیم

اسلامی علاقہ اور اپنی زبان و مذہب اور تہذیب کی وحدت کے لحاظ سے ایک ناقابلِ تقسیم

ملک ہے خلافت راشدہ ہی کے دور میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس کا بڑا حصہ فتح ہو گیا

تھا پھر بنی امیہ کے دور میں پورا ملک اسلام کے زیر نگیں ہو گیا، اور دوسرے عربی مقبوضات

کی طرح اس کی زبان عربی ہو گئی، جو اب تک قائم ہے، اور محض پہاڑی اور بعض دوسرے دور و

دراز علاقوں میں بربری رہ گئی ہے،

البتہ سیاسی وحدت بہت کم دنوں قائم رہی اور بنی عباس کے زوال کے زمانہ سے

یہاں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں، گو اس دور میں بعض حکمرانوں نے پورے شمالی

افریقہ پر اقتدار قائم کر لیا، لیکن وہ عارضی تھا، عثمانی دور میں اس کا بڑا حصہ ترکوں کے زیر اقتدار

پھر متحد ہو گیا، اور یہاں عثمانی حکومت کی جانب سے محمد علی پاشا والیِ مصر کی حکومت کے طرز پر نیم خود مختار

ریاستی نظام قائم ہو گیا، اور عثمانی حکومت کے ماتحت تقریباً آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں، چنانچہ طرابلس

میں باب عالی نے اسی قسم کی حکومت قائم کر دی، اور ۱۷۰۹ء سے لیکر ۱۸۸۲ء تک یہاں کرمنلی خاندان

حکمران رہا، تونس میں البائی کی تقریباً آزاد حکومت قائم ہوئی جس کی اولاد اب تک یہاں کی حکمران

ہے، الجزائر میں الدائی نے اپنی حکومت قائم کی، لیکن ۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں کے قبضہ کے بعد وہ جزائر

چھوڑنے پر مجبور ہو گیا، اس زمانہ میں شمالی افریقہ تین علاقوں پر مشتمل ہے (۱) بلاد مغرب، یہاں

فرانس کے ماتحت شریفی حکومت قائم ہے، آج کل سلطان محمد بن یوسف یہاں کے حکمراں ہیں،

اس حکومت کا رقبہ فرانس کے برابر ہے، اس کے حدود یہ ہیں مغرب میں بحر اطلس، شمال میں بحر ابیض

متوسط، جنوب میں صحرائے افریقہ، اس میں بڑے بڑے پہاڑ اور متعدد دریا ہیں، اس کا سب سے بڑا

اور ترقی یافتہ شہر فاس ہے لیکن پایہ تخت رباط ہے، اس حکومت میں .... مسلمان اور تقریباً

۵۰۰۰۰ یورپین آباد ہیں، مغرب کے پہاڑی اور ساحلی علاقہ کا بڑا حصہ اسپین کے زیر اثر ہے، اور یہاں سلطان

مغرب کی جانب سے ان کا نائب حکومت کرتا ہے، آج کل مولائی حسن بن مہدی اس منصب پر ہیں،

اس کا رقبہ مغرب کی حکومت کے پانچویں حصہ کے برابر ہے،

(۲) الجزائر یہ علاقہ انتظامی حیثیت سے فرانس کے صوبہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں

ساٹھ لاکھ مسلمان آباد ہیں، اور متوطن یورپینوں کی تعداد ۰۰۰،۵۰۰ ہے، یہ بڑا زرخیز زرعی علاقہ ہے اسمیں

لوہے کی بڑی بڑی کانیں ہیں،

(۳) تونس یہاں فرانس کی زیر نگرانی اسلامی حکومت قائم ہے، اور آج کل البائی سیدی محمد المنصف

اسکے حکمراں ہیں، یہاں بیس لاکھ مسلمان اور تقریباً ۰۰۰،۶۰ یوروپین آباد ہیں، یہاں فاسفیٹ کی بڑی

نفع بخش کانیں ہیں، اور اعلیٰ قسم کے زیتون کی بڑی پیداوار ہے،

(۴) لیبیا اسمیں کچھ حصہ طرابلس کا اور کچھ برقہ کا شامل ہے، اسکا بڑا حصہ صحرائی ہے لیکن ساحلی سرسبز و شاداب ہے،

جبل الاخضر میں عرب آباد تھے لیکن اٹلی کے حملہ کے زمانہ سے وہ سب خانماں ہو گئے سنوسیوں اور مشہور مجاہد عمر مختار کا میدان جہاد یہی تھا

اخبار علمیہ

بمباری کی نزاکت

ہوائی حملے جس درجہ خطرناک اور تباہ کن ہیں، اتنا ہی یہ کام بھی نازک ہے، ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت سے نہ صرف حملہ ناکام ہو جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات خود حملہ آور ہوا باز خطرہ میں پڑ جاتا ہے، اس لئے اس کے تمام مراحل میں بڑی احتیاط برتی جاتی ہے، ہوا بازوں کو مختلف نقشوں اور کروں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے، اور خطرہ کے تمام امکانات پر غور اور دشمن کے انتہائی جارحانہ اقدام اور مداخلت کی تدبیروں کا پورا اندازہ کرکے ان کو تیار کیا جاتا ہے اور موسمی آلات کی مدد سے موسمی تغیرات کا مشاہدہ کرکے اس کے مطابق برابر اُن کو ہدایات و اطلاعات دیجاتی ہیں، بمباروں کے کام کی نزاکت اور اُن کے کمال کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، ہوائی جہاز سیکڑوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرتا ہے، اور اس حالت میں ہوا باز فضائی دشواریوں کا مقابلہ کرتا، دشمن کے طیاروں اور طیارہ شکن توپوں کی زد سے بچتا اور اُن کی بمباری کا جواب دیتا ہوا حملہ کے مقام پر پہنچ کر اپنا کام کرتا ہے، اور ایک سکنڈ کی تقدیم و تاخیر سے نشانہ غلط ہو جاتا ہے، اسلئے ہر وقت اُس کی نگاہیں نشانہ پر لگی ہوتی ہیں، بمبار سوئچ مٹھی میں ہوتی ہے اور انگوٹھا اسکی کیل پر ہوتا ہے،

لندن کا زمین دوز شہر

لندن کا ایک محلہ گذشتہ بمباری میں بالکل تباہ ہو گیا تھا، اب اس کی جگہ زیر زمین ایک سو بیس فٹ کی گہرائی میں ایک نیا محلہ بلکہ ایک چھوٹا سا شہر بنایا جائیگا اس میں ۳۵ ہزار آدمی رہ سکیں گے، یہ شہر بمباری اور زہریلی گیسوں کے اثرات سے بالکل محفوظ ہوگا، اس میں دوکانیں، ہوٹل، شفاخانے، جملہ ضروری سامان موجود ہوں گے، یہ صرف ان ارکان دولت اور ممتاز اکابر کے لئے مخصوص ہوگا جن کی زندگی حکومت کے لئے ضروری ہے، اس کی تعمیر کے لیے سامان کی فراہمی شروع ہو گئی ہے،

عربی ممالک کی خبریں

دور جدید کی ضروریات اور زمانہ کی رفتار کا خاص عرب حکومتوں پر بھی اثر پڑ رہا ہے، چنانچہ حجاز، یمن اور حضرموت وغیرہ میں بھی ان کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں، طائف میں جدید طرز کی ایک نئی آبادی کے قیام کی تجویز منظور ہوئی ہے، اس کا نقشہ بن کر تیار ہو گیا ہے، اس میں جدید طرز کے اڑتالیس مکان ہوں گے، جس میں ضروریات کے جملہ سامان مہیا ہوں گے، ان کے متعلق ایک مسجد، ایک شفاخانہ، پولیس کی چوکی، ڈاکخانہ، تار گھر، مدرسہ اور پارک ہوگا، اس آبادی کا نام سلطان عبد العزیز ابن سعود کے نام پر عزیزیہ ہوگا، اس کے لئے زمین امیر فیصل نے دی ہے، جو لوگ نقشہ کے مطابق ذاتی مکانات بنوانا چاہیں گے، ان کو زمین مفت دیجائیگی،

دوسرے عربی ملکوں کے مقابلہ میں یمن بہت پیچھے تھا، لیکن اب وہاں بڑی تیزی سے

تعلیم پھیل رہی ہے یمن کے ہر حصہ میں بکثرت مدارس کھل گئے ہیں، ابتدائی تعلیم جبری کردی گئی ہے، تعلیم میں زرعی اور صنعتی شعبوں کا بھی اضافہ ہوگیا ہے، فوجی تعلیم عام کردی گئی ہے، اور تمام بڑی بڑی آبادیوں، صعدہ، صنعار، ردع، ذمار، اب، حدیدا اور تعز وغیرہ میں فوجی مدرسے کھل گئے ہیں، ان میں عراق کے تعلیمی وفد کے مرتب کردہ نصاب کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے، اور ہمدان، حاشد، بکیل، ذو محمد، ذو حسین، خولان، ارحب، مذحج، یام اور زرانیق وغیرہ تمام بڑے بڑے قبیلوں کے لڑکے ان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، اس کی وجہ سے یمن کی فوجی حالت گذشتہ کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہوگئی ہے،

سلطان صالح قیطعی کی توجہ سے حضرموت کی حالت بھی ترقی پذیر ہے، اور مکلا شہر کی حالت میں آبادی، تعمیرات اور دوسرے مظاہر ترقی کے لحاظ سے حیرت انگیز انقلاب ہوگیا ہے، شیخ سید جداال کی علم دوستی سے علوم و معارف کی حالت بھی ترقی پذیر ہے، زراعت کی ترقی کے لئے چند تاجروں نے ایک زرعی کمپنی کھولی ہے، اس کے قیام میں حکومت نے بھی مدد دی ہے، اس کمپنی کے اہتمام میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر کاشت کی جائے گی، اور جدید ترین آلاتِ زراعت کام میں لائے جائیں گے، توقع ہے کہ اس کمپنی کے قیام کے بہت مفید نتائج نکلیں گے، حال میں حکومت حضرموت کے ڈاک کے نئے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں، ان میں سلطان علی بن منصور کثیری اور حضرموت کے تاریخی شہر سیون کے قلعہ کی تصویر ہے، ان ٹکٹوں کے ذریعہ تمام برطانوی مقبوضات میں خطوط جاسکیں گے،

جنگی ضروریات کے سلسلہ میں فلسطین کی صنعتی ترقی کا قدم بہت آگے بڑھ گیا ہے، گذشتہ

دو سال کے اندر مختلف مصنوعات کے ۵۰۰ کارخانے کھل گئے ہیں، ۴۲ء میں نو مہینے کے اندر ۱۱۰۰۰۰۰ لیرہ کے سرمایہ سے ۲۹۹ صنعتی و تجارتی کمپنیاں کھلی ہیں، اور ۵۷۸۰۰۰۰ کے سرمایہ سے ۲۰۲ مختلف قسم کی کمپنیاں قائم ہوئی ہیں گذشتہ سال پرانی چھتر کمپنیوں کا سرمایہ ۵۴۲۰۰۰۰ تک پہنچ گیا ہے،

مصر کے ایک ممتاز انجنیر اور عالم طبقات الارض محمد محمود ابراہیم نے مصر کے صحرائی علاقے میں سونے کی کانیں دریافت کی ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کانیں سونے سے معمور ہیں، انجنیر مذکور یہاں سے ستر گرام سونا بھی لائے تھے جسے انھوں نے قاہرہ کے طبقات الارض کے عجائب خانہ کی نذر کیا ہے، مصر میں اس اکتشاف کو بڑی اہمیت دی جارہی ہے، اُمید ہے کہ ملک کی معدنی دولت پر اسکا بڑا اثر پڑیگا،

قاہرہ کے وزیر تجارت و صنعت و حرفت استاد محمود سلیمان نے مصر کی غیر ملکی کمپنیوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے مراسلات اور تحریروں میں دوسری زبانوں کے ساتھ عربی کو بھی شامل کریں، کمپنیوں نے اسے منظور کرلیا ہے،

"م"

اعلان

موجودہ زمانہ میں جب کہ کاغذ کی کمیابی اور دوسرے سامانِ طباعت کی گرانی حدِ کمال کو پہنچ چکی ہے، دار المصنفین نے اپنی مطبوعات کی قیمتوں میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، اور اپنی سابقہ روایات پر اب تک قائم ہے، بایں ہمہ کمیشن کے معاملہ میں ہم ضرور غور کرنے کیلئے مجبور ہیں، ظاہر ہے ان نامساعد حالات میں کوئی غیر معمولی کمیشن نہیں دیا جاسکتا، اسلئے اب ہم نے طے کیا ہے کہ یکم اپریل ۴۳ء سے تاجروں کو مطبوعات پر ۲۵ فیصدی، سیرت پر ۲۰ فیصدی، اور عام خریداروں کو (جو زیادہ تعداد میں کتابیں خریدینگے) ۱۲½ فیصدی کمیشن دینگے، کتابوں اور مکمل سٹوں کی قیمتیں بدستور باقی رہیں گی، امید ہے فرمایش میں کوئی صاحب اسکے خلاف اصرار نہ فرمائیں گے،

منیجر دار المصنفین، اعظم گڑھ،

بالتقریظ والانتقاد

تاریخ مظفر شاہی

(اصل متن فارسی صـ ۸۸ مع مقدمہ و ترجمۂ گجراتی صـ ۴۹)

از جناب قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی

"مرتبۂ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، بسلسلۂ تحقیقات گجرات ورناکیولر سوسائٹی،

قیمت :- عہ ، ملنے کا پتہ :- گجرات ورناکیولر سوسائٹی، بھدر، احمد آباد"

گجراتی زبان و ادب کی نشر و اشاعت کے لئے گجرات کے پایہ تخت اور مشہور تاریخی شہر احمد آباد میں ایک انجمن بنام "گجرات ورناکیولر سوسائٹی" سالہا سال سے قائم ہے جس کو کام کی نوعیت کے لحاظ سے "انجمن ترقی اردو" کا مترادف سمجھنا چاہئے، اگرچہ اس کی علمی کوششوں کے وسیع سرمایہ ترقی و اشاعتِ زبان گجراتی اور ملک میں اس کی بکثرت امداد و اعانت کے لحاظ سے موخر الذکر کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، اس انجمن کے پاس اس کا اپنا وسیع کتبخانہ ہے، ایک سہ ماہی علمی رسالہ "بدھی پرکاش" اس کی طرف سے شائع ہوتا ہے، اور ہر سال گجراتی زبان میں مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کرا کر شائع کی جاتی ہیں، کچھ عرصہ سے اس انجمن نے گورنمنٹ سے سالانہ امداد بھی حاصل کر لی ہے، اور اس کے ذریعہ سے علمی تحقیقات کے لئے ایک

پوسٹ گریجوٹ ریسرچ (تحقیقات بعد از تحصیلِ علوم) کا شعبہ بھی قائم کیا ہے، اس شعبہ میں ہمارے مکرم اور فاضل دوست مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی تاریخِ گجرات (عہد اسلامی) سے متعلق تحقیقات کا کام انجام دے رہے ہیں، حال میں مولانائے موصوف نے انجمن مذکور کی طرف سے تاریخ مظفر شاہی کو مرتب کیا ہے، جس کا اصل متن فارسی مع مقدمہ و ترجمۂ گجراتی شائع کیا گیا ہے، یہاں اس کتاب پر تبصرہ کرنا مقصود ہے،

مولانا ابو ظفر صاحب گذشتہ پندرہ بیس سال سے گجرات کے مرکز احمد آباد میں مقیم ہیں، اور تاریخِ گجرات سے متعلق اپنی تحقیقات کے نتائج وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہتے ہیں، مولانا گجرات کے عہد اسلامی کی تاریخ پر کافی عبور رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے، کتاب زیرِ تبصرہ کی تدوین و ترجمہ بھی مولانا کے اسی شوقِ مطالعہ کا نتیجہ ہے، ۱۹۲۱ء میں احمد آباد کی بھولاناتھ لائبریری میں مظفر شاہی کا مخطوطہ مولانا کی نظر پڑا، اسی وقت سے وہ اس کے دوسرے نسخے کی تلاش میں تھے، مگر کوئی دوسرا مخطوطہ ان کو نہ مل سکا، آخر کار گذشتہ سال اُنھوں نے اصل متن تیار کیا، اور اس پر مقدمہ لکھا، اس کا ترجمہ کیا، اور سلطان مظفر حلیم کے مفصل حالات بڑی کاوش اور تحقیق سے لکھ کر اس میں شامل کر دئے، جس کو گجرات ورناکیولر سوسائٹی نے شائع کیا ہے، اس کتاب کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم (عجائب خانۂ برطانوی) کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو سنہ ۱۲۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے، مولوی صاحب کو جو نسخہ ملا ہے، وہ اس سے ایک سال پیشتر یعنی سنہ ۱۲۲۲ھ کا لکھا ہوا ہے، اصل کتاب کے مصنف کا نام مخطوطہ میں نہیں ہے، صاحب مرأۃ سکندری نے اس کا نام ہلالی لکھا ہے جو اس کا نام نہیں بلکہ تخلص ہے، شعرائے فارسی کے کسی تذکرے میں ہلالی کا نام کہیں نظر نہیں آتا، وہ غالباً سلطان مظفر حلیم (سنہ ۹۱۷ھ تا سنہ ۹۳۱ھ) کا درباری شاعر تھا اور بادشاہ کی فرمایش پر اُس نے یہ کتاب قلمبند کی ہے جیسا کہ خود اُس نے کتاب کے شروع

میں (دیکھیے) ذکر کیا ہے، مولانا ندوی نے اس کی زندگی سے متعلق بعض قیاسات پیش کئے ہیں (مقدمہ صفحہ ۴ تا ۶) اصل کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے جس کا موضوع مالوہ کی لڑائی اور مانڈو کی فتح کے سوا کچھ نہیں ہے، لیکن فاضل ندوی نے اس کتاب کی اہمیت بتاتے ہوئے اس سے ایسی معلومات اخذ کی ہیں جن کو دوسرے مورخین نے نہیں بیان کیا، (دیکھو مقدمہ ص تا ص ۱۱) مصنف کے شاعرانہ اور مبالغہ آمیز بیانات، مقفیٰ اور مسجع عبارات اور محل بے محل کثرتِ اشعار سے قطع نظر کیجائے تو شاید پوری کتاب کا خلاصہ ایک یا دو صفحوں میں آجائے، مصنف چونکہ خود شاعر ہے، اس لئے اکثر خود ساختہ اور دیگر شعراء کے اشعار حسب موقعہ نقل کرتا ہے، طرز بیان اس قدر مغلق اور پیچیدہ ہے کہ اس کو سمجھنے کے لئے فارسی شعر و ادب میں پوری دستگاہ کی ضرورت ہے، نامانوس مغلق اور دور از کار ترکیبیں اور تشبیہات و استعارات کی کثرت کے بعد اشعار کی بھرمار نے اس کو بجائے تاریخی کتاب کے ادب و شعر کا ایک رسالہ بنا دیا ہے،

عبارت آرائی میں اس کا طرز تاج المآثر سے ملتا ہے، بقول مصنف یہ نثر میں اس کی پہلی کوشش ہے، اس لئے عبارت میں روانی اور سلاست کی بجائے گنجلک اور تعقید پیدا ہو گئی ہے، نثر مرصع اور وہ بھی اس زوروں کی لکھی ہے کہ نثر اور نظم کا امتیاز اٹھا دیا ہے، مصنف شاعر اور انشا پرداز ہونے کے علاوہ دینیات میں بھی عبور رکھتا ہے، چنانچہ اس نے جابجا مفید مطلب آیاتِ قرآنی و احادیث کا استعمال کیا ہے، فن نجوم سے بھی اس کی واقفیت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ بعض جگہ اُس نے اجرام سماوی اور ان کے اثرات کو استعارۃً استعمال کیا ہے، ایک جگہ از روئے احکامِ نجوم نیک ساعت کا بیان کرتے ہوئے مصنف نے محمود خلجی کے سلطان مظفر حلیم سے مستفیض ہونے کا حکم لگایا ہے:-

"واز جملہ خصائص وقت ادراک شرف پای بوس حضرت خلیفۃ الرحمٰن شاہ شاہنشہان

آن بود کہ قمر و سرطان کہ خانہ اوست منزل داشت و آفتاب در جدی بود، پس قمر در کمال استفادت نور بودہ باشد کہ مرتبہ بدریت است چرا کہ قمر در مقابل آفتاب است و دلیل است بر آنکہ ہلال طالع سلطان محمود خلجی بہ نظر تربیت آفتاب عالمتاب حضرت ظل اللہ بمرتبہ بدریت خواہد رسید و در ہر مرتبہ در مقام استفادت خواہد بود"، (ص ۲۵)

فاضل مترجم نے مصنف کی ادبیت اور شاعری کی تعریف کی ہے، لیکن یہی چیز بسا اوقات تاریخ کے خط و خال کو بگاڑنے والی ثابت ہوئی ہے، مترجم نے اچھا کیا کہ بجائے لفظی ترجمہ کے جو چیستان بن کر رہ جاتا، اس کا صرف خلاصہ لکھ دیا ہے، اور تشریح طلب مقامات پر مفصل ذیلی حواشی لکھ دئے ہیں، جن سے کتاب کے اکثر مقامات و مطالب کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے، مولانا کے اردو ترجمہ سے چھوٹو بھائی نایک ایم اے، پی ایچ ڈی نے متن کتاب کا ترجمہ گجراتی میں کیا ہے، چونکہ یہ ترجمہ اردو سے کیا گیا ہے، اس لئے اس میں بعض مسامحات پائے جاتے ہیں، جو چنداں قابلِ اعتنا نہیں ہیں، مثلاً ص ۲۲ پر "خدع" کا ترجمہ "لچائی" (شرارت) سے کیا گیا ہے حالانکہ اس کے معنی مکر و فریب کے ہیں، لیکن اس قسم کی فروگذاشتوں سے نفس موضوع پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، گجراتی ترجمہ بہت سلیس اور اصل متن کے مفہوم سے قریب تر ہے، ترجمہ میں مولانا نے جو ذیلی حواشی لکھے ہیں ان میں متن کے واقعات و اشارات کی معتبر و مستند ماخذ کے حوالوں کے ساتھ تشریح کی گئی ہے، اور بعض واقعات کی تصحیح بھی کی گئی ہے، جو تاریخی حیثیت سے بہت اہم اور کارآمد ہے، بعض حواشی ایسے ہیں جن کو اُردو میں لکھنے کی ضرورت نہ تھی، مگر چونکہ زیادہ تر مسلم گجراتی دانوں سے خطاب ہے، اس لئے معمولی باتوں پر جن سے وہ لوگ ناواقف ہیں حواشی لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہے،

سلطان مظفر حلیم گجرات کے نامور بادشاہ سلطان محمود بیگڑہ فاتح و بانی مصطفےٰ آباد (موجودہ جوناگڈھ) کا بیٹا اور اس کا جانشین تھا، جس کا اصلی نام خلیل خاں تھا، اور بعد کو سلطان مظفر حلیم

کے نام سے مشہور ہوا، سلطان کی مالوہ پر چڑھائی، محمود خلجی کے ساتھ دوستانہ روابط اور مانڈو کی فتح کے حالات، عام تاریخوں میں بھی ملتے ہیں، لیکن ان واقعات کا مفصل اور چشم دید بیان مظفر شاہی کے سوا اور کہیں نہیں ملتا، فاضل مرتب نے مقدمہ کے دوسرے حصہ میں کتاب کے ہیرو سلطان مظفر کے حالات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں، اور مختلف معتبر و مستند مآخذ سے ان پر روشنی ڈالی ہے، ضمناً کتاب کے مباحث بھی اس میں آجاتے ہیں، اس اعتبار سے اس کتاب کی اہمیت ایک تحقیقی مقالہ سے کم نہیں،

تصحیح و تدوین کے سلسلہ میں چند فروگذاشتوں کی طرف ہم فاضل مدون کو توجہ دلاتے ہیں،

متن کے شروع میں سرورق پر کتاب اور مصنف کا نام لکھدینا چاہئے تھا، اور شروع میں ایک فہرست مضامین جیسی کہ ترجمۂ گجراتی کے شروع میں ہے لگانی چاہئے تھی، اشاریہ (انڈکس) گجراتی ترجمہ کا بنایا گیا ہے، حالانکہ اشاریہ اصل متن کا ہونا چاہئے، سب سے بڑھکر یہ کہ متن کی تصحیح پر توجہ نہیں کی گئی، ورنہ اس کثرت سے غلطیاں نہ رہنے پاتیں، اس میں شک نہیں کہ متن صرف واحد قلمی نسخہ سے تیار کیا گیا ہے، لیکن اگر "نقل مطابق اصل" ہو تب بھی اغلاط کی تصحیح کر دینی ضروری ہے، متن میں بعض ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی تصحیح آسانی سے ہو سکتی تھی، ۸۰ صفحہ کے اس چھوٹے سے رسالہ میں اس کثرت سے غلطیوں کا رہنا متن کو بیکار کر دیتا ہے، میں نے ۲۳۸ غلطیوں کی تصحیح کرکے ایک "صحت نامہ" مولانا کی خدمت میں پیش کر دیا ہے، تاکہ آیندہ اڈیشن میں ان غلطیوں کی تصحیح کر لیجائے یا پھر صحت نامہ علیحدہ چھپوا کر کتاب کے آخر میں لگا دیا جائے،

بہرحال ہمیں اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ تاریخ گجرات کے سلسلہ میں یہ مختصر کتاب جو مرور ایام اور عدم اعتنا کی وجہ سے معدوم ہو چکی تھی ہمارے محترم اور فاضل دوست کی کوششوں کی بدولت موجود اور حلیۂ طبع سے آراستہ ہو کر تاریخ گجرات کے شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے،

آخر میں ہم اپنے دوست سے یہ استدعا کرتے ہیں کہ اس کتاب کی دوبارہ تصحیح کرکے اردو ترجمہ و مقدمہ کے ساتھ اس کو طبع کرایا جائے تاکہ یہ اردو دانوں کے لئے بھی مفید اور کارآمد ہو سکے،

مطبوعات جدیدہ

نجمہ مولفہ محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ، تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ: عصمت بک ڈپو دہلی،

یہ افسانہ رسالہ عصمت دہلی مین مسلسل نکلا تھا، عصمت بک ڈپو نے اب اسے کتابی صورت مین شائع کر دیا ہے، یہ ایک اصلاحی اور رومانی افسانہ ہے جس مین جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کی غیر معتدل آزادی اور مغرب زدگی کے بُرے نتائج، خالص پرانی روایات کی پابندی کی خرابیان اور جدید تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم و تربیت کی خوبیان اور مشرقی و مغربی تہذیب سے ملی جلی گنگا جمنی معاشرت کی جلوہ آرائیان دکھائی گئی ہین، افسانہ کا پلاٹ دلچسپ ہے، اس کی آزاد ہیروئین نجمہ کے واقعات زندگی، مغرب زدہ لڑکیون کے لئے سبق آموز ہین، لیکن اس افسانہ مین مذہبی تعلیم اور مشرقی تربیت کے جتنے کردار پیش کئے گئے ہین، ان مین صرف جمیل اور شکیلہ کی زندگی نمونہ کہی جا سکتی ہے، باقی کوئی کردار مغربی اثر سے خالی نہین، اور افسانہ کی پوری فضا مغربی ہے، مذہبی تعلیم اور مشرقی زندگی صرف روزہ نماز کی پابندی کا نام نہین ہے، بازار حسن مسوری کی سیر و تفریح، بے پردگی، مخلوط ڈنر، پارٹیان، کلب، سنیما، مرد احباب سے عورتون کی بے تکلفی اور ان کی مدارات، پیانو نوازی، نمائش حسن، ادا فروشی، یہ سب مغربی زندگی کے اجزا ہین جنہیں اسلامی زندگی اور مشرقی معاشرت سے کوئی واسطہ نہین، اگر اس افسانہ مین کچھ اخلاقی باتین بھی شامل

کر دی جاتین، تو کسی حد تک کمی پوری ہو جاتی، فنی اعتبار سے بھی بعض خامیان نظر آئین، جمیل کاس خان کے لباس مین اتنے دنون تک نجمہ کو نہ پہچاننا جب کہ تھوڑے ہی دنون پہلے دونون مین ملاقات ہو چکی تھی، غیر فطری سی بات ہے، اسی طرح کلکتہ کے تاجرون کی کوٹھیون مین لکھنؤ کی معاشرت، اور یہان کے رسم ورواج بے جوڑ معلوم ہوتے ہین، تاہم افسانہ دلچسپ اور جدید ترقی یافتہ زندگی کے عیب وہنر کا آئینہ ہے،

مضامینِ عظمت، شائع کردہ عظمت زبیدہ بیگم صاحبہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۲ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر قیمت:- عہ، پتہ:- حیدر آباد بک ڈپو چادر گھاٹ، حیدر آباد دکن،

عظمت اللہ خان مرحوم نئے دور کے جدت طراز اور شوخ نگار صاحبِ قلم تھے، ان کے مضامین کا پہلا مجموعہ اس سے قبل شائع ہو چکا ہے، یہ دوسرا حصہ ہے، اس مین چودہ مضامین اور ایک ڈرامے کا ترجمہ ہے، مرحوم کی انشار کی خصوصیات، خیالات کی ندرت وتازگی، اور اسلوبِ نگارش کی شوخی اور بانکپن، ان سب مضامین مین موجود ہے، خواجہ میر درد کی شاعری پر تبصرہ گو شاعرانہ نکتہ آفرینیون سے خالی نہین، لیکن اس مین میر درد کے عارفانہ رنگ کو خوبی اور دقتِ نظر سے دکھایا گیا ہے، ہنسی اور خواب کی باتون مین ان دونون پر نفسیاتی نگاہ ڈالی گئی ہے، "ڈیڑھ اینٹ کی مسجد" مین ہندوستان کی سیاست پر پُرلطف تبصرہ ہے اور ظرافت کے پردہ مین دلچسپ تنقید کی گئی ہے، ذکا ہی مضامین مین "روغن قاز" نہبت دلچسپ ہے، "مریض وہم" مشہور فرانسیسی ڈرامہ نگار مولیئر کے ڈرامے کا ترجمہ ہے، اس مجموعہ کا کوئی مضمون لطف سے خالی نہین، امید ہے کہ اصحابِ ذوق مین یہ ادبی تحفہ مقبول ہوگا،

محمد عربی، مولفہ کامریڈ باری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۷، صفحے، کاغذ کتابت و

طباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ:- مکتبہ اردو لاہور،

اردو مین اب سیرۃ النبی صلعم پر اب آشنا وافر اور مستند ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے، کہ ان کی مدد سے مختصر اور معتبر سیرتین آسانی سے مرتب کیجا سکتی ہین کامریڈ باری نے ان ہی ماخذون سے یہ سیرت لکھی ہے، اور ان کا حوالہ بھی دیدیا ہے، اس مین صاف اور سادہ زبان مین سوانح نبوی صلعم کو اختصار کے ساتھ اس طرح قلمبند کیا گیا ہے، جس سے بعثتِ نبوی کا مقصد اور اس کے نتائج سامنے آجاتے ہین، آخر مین ارکانِ اسلام کی حکمتون اور سود وشراب کی حرمت اور چوری کی سزا مین قطعِ ید کی مصلحتون کو دکھایا ہے، آج کل جب کہ نام نہاد مسلمان سوشلسٹ اپنے دین وملت سے تبری کرنے لگے ہین، ایک سوشلسٹ مسلمان کا سوانح نبوی لکھنا، اور بغیر کسی تاویل کے اسلامی تعلیمات کو تسلیم کرنا قابلِ تعریف ہے،

آفتابِ تازہ، مولفہ جناب احسان صاحب بی اے آنرز تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:- نصرت بک ڈپو مین بازار مزنگ لاہور،

لائق مؤلف نے اس کتاب مین اسلام کے محاسن، کلام اللہ کی اثر آفرینی، اسلامی اخلاق اور حق وصداقت کی تاثیر سے تبلیغ اسلام کے چار موثر اور سبق آموز واقعات کو افسانے کی شکل مین پیش کیا ہے، "مقدس مسافر" مین آنحضرت صلعم کے طائف کے تبلیغی سفر کے حالات "جادو" مین حضرت عمرؓ "قیدی" مین ایک اور صحابی ثمامہ بن اثالؓ (جو حضرت عمرؓ ہی کی طرح قبولِ اسلام سے پہلے مسلمانون کے دشمن تھے) اور "اذان" مین تغلق تیمور کے قبولِ اسلام کے واقعات کو موثر انداز مین دکھایا گیا ہے، پہلے تینون مستند تاریخی واقعات ہین، گو ان مین آب ورنگ پیدا کرنے کے لئے جزوی اضافے بھی ہین، لیکن ان سے نفس واقعات کی صحت پر اثر نہین پڑتا، چوتھا واقعہ

کسی تاریخ مین ہماری نظر سے نہین گذرا، تغلق تیمور چغتائی سلسلہ کا ایک فرمانروا تھا، بہت سے تاتاری امرار اور حکمرانون نے علمار کے اثر سے اسلام قبول کیا، یہ ممکن ہے کہ تغلق تیمور کے قبولِ اسلام کا واقعہ بھی صحیح ہو، یہ تاریخی افسانے دلچسپ، موثر اور مفید ہین اور اس کا بھی جواب ہین کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا یا اپنی تعلیمات کی تاثیر سے،

ادارۂ ادبیاتِ اردو، مرتبہ خواجہ حمید الدین صاحب شاہد بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، سنہ ۱۹۴۳ء مین قیمت :- ۸ر پتہ ادارہ ادبیاتِ اردو، رفعت منزل خیرت آباد، حیدرآباد دکن،

ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد نے اپنی دس سالہ عمر مین مختلف حیثیتون سے اردو زبان کی جو خدمت انجام دی ہے، وہ اردو کے دوسرے نوعمر ادارون کے لئے سبق آموز نمونہ ہے، اردو کی اشاعت و ترقی کے اتنے وسائل کسی ادارہ نے اختیار نہین کئے، مذکورۂ بالا کتاب ادارۂ مذکور کی سنہ ۱۹۴۲ء کی کارگذاریون کی روداد ہے، جس سے اس کی خدمات کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے،

شیخ و برہمن، مؤلفہ جناب ڈاکٹر اعظم کریوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۱۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عار، پتہ، کتاب خانہ دانش محل، امین آباد پارک، لکھنؤ،

مصنف اردو کے مشہور افسانہ نگارون مین ہین، ان کے افسانون کے لئے کسی تعارف کی حاجت نہین، شیخ و برہمن ان کے سولہ افسانون کا مجموعہ ہے، کل افسانے اخلاقی اصلاحی اور آجکل کے افسانون کی ابتذال و رکاکت سے پاک ہین، اور پلاٹ اور زبان ہر حیثیت سے مفید، ستھرے اور پڑھنے کے لائق ہین،

"م"

جلد ۵۱ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۳ء عدد ۵

مضامین